قادیانیوں اور پرویزیوں کی طرف سے

مولانا مودودی صاحب پر لگائے جانے والے

الزامات کی حقیقت

محمد شعیب

قادیانیوں اور پرویزیوں کی طرف سے

مولانا مودودی صاحب پر لگائے جانے والے

الزامات کی حقیقت

مرتبہ

محمد شعیب

فہرست

حرفِ اول

یہ کتابچہ ایک چیتھڑے کے بارے میں ہے۔ اگرچہ چیتھڑوں کی جگہ کوڑا دان ہوتی ہے لیکن غلاضت پھیلانے کے کچھ شوقین ان چیتھڑوں کو بار بار اٹھا کر آپ کی ناک کے آگے کر دیتے ہیں تو پھر تنگ آمد بجنگ آمد کے مصداق ہمیں خود ہی کوئی قدم اٹھانا پڑتا ہے تاکہ چیتھڑے کو اس کے اصلی مقام تک پہنچایا جاسکے۔

اسی مقصد کو پورا کرنے کے لیے یہ کتابچہ تحریر کیا گیا ہے اور اس کے ذریعے اس مکر و فریب اور جھوٹ کی پوٹ کو کچرے دان تک پہنچایا گیا ہے جس کی تخلیق قادیانیوں کے ہاتھوں ہوئی تھی لیکن اس غلاضت کو پرویزی لے کر جگہ جگہ گھوم رہے تھے تاکہ مولانا مودودی صاحب کی شخصیت کو داغدار کیا جاسکے۔ اگرچہ انبیاء کے علاوہ اس دنیا کی کوئی شخصیت تنقید سے بالاتر نہیں ہے لیکن اگر اس مقصد کو حاصل کرنے کے لیے جھوٹ اور دھوکے بازی کا سہارہ لیا جائے تو یہ نہایت مکروہ عمل ہے۔ اسی دھوکے بازی کا پردہ اس کتابچے میں چاک کیا گیا ہے۔ یہاں میں چند باتوں کی وضاحت کرنا ضروری سمجھتا ہوں:

- ✓ یہ کتابچہ کسی شخصیت کے خلاف نہیں ہے خصوصاً جناب غلام احمد پرویز کے خلاف تو بالکل نہیں ہے بلکہ اس کتابچے سے وہ ظالم وغافل حکمران کے سامنے کلمہ حق کہنے والی شخصیت کے طور پر سامنے آئیں گے۔
- ✓ اس کتابچے میں کسی بھی شخصیت کے نظریات کی بابت بحث نہیں کی گئی ہے۔

✓ اس کتاب کے عنوان میں جو "پرویزی" کا لفظ استعمال کیا گیا ہے اس مراد وہ لوگ ہیں جو اپنے آپ کو فکرِ پرویز کے حاملین کہتے ہیں چاہے ان کا فکرِ پرویز سے کوئی تعلق ہو یا نہ ہو۔

✓ قادیانیوں کی تکفیر کے متعلق جناب غلام احمد پرویز کا مؤقف بالکل واضح تھا۔ اور وہ اس بارے ایک کتاب بھی تصنیف کر چکے ہیں۔ اور عموماً قادیانی حلقوں میں ان کا ذکر بہت حقارت سے کیا جاتا ہے۔ لیکن آجکل سوشل میڈیا پر پرویزیوں اور قادیانیوں کا اسلام کے خلاف حیرت انگیز گٹھ جوڑ ہو چکا ہے۔ لیکن ظاہر ہے کہ جناب غلام احمد پرویز کو اس کا ذمہ دار نہیں ٹھہرایا جاسکتا کہ یہ ان کی وفات کے بعد کی کہانی ہے۔ خود کو فکر پرویز کے پروکار کہنے والے یہ احباب اکثر عیسائیوں اور دہریوں کے ساتھ بھی بھائی چارہ جتاتے ہوئے پائے گئے ہیں۔

مجھے اس کتابچے کا مصنف نہیں قرار دیا جاسکتا کیونکہ میں نے تو بس بکھری ہوئی معلومات کو یکجا کیا ہے تاکہ سچ سامنے آ سکے۔ آپ سب کی رائے میرے لیے بہت مفید ثابت ہو گی۔

محمد شعیب

قادیانی اور پرویزی ایک عرصہ سے کاغذ کا ایک چیتھڑا بار بار شئیر کر کے مولانا مودودی صاحب کے خلاف پراپیگنڈا کر رہے ہیں جس کا مقصد صرف یہ ہے کہ مولانا کو قیامِ پاکستان کا مخالف اور قائد اعظم، مسلم لیگ اور پاکستان کا دشمن ثابت کیا جائے۔

قادیانیوں کی تو ساری بنیاد ہی جھوٹ اور فریب پر قائم ہے لیکن پرویزیوں کو قادیانیوں کی پوسٹ کو پھیلاتے ہوئے کم از کم اس قرآن کے احکام کا تو پاس کرنا چاہئیے تھا جس کا نعرہ وہ دن رات لگاتے ہیں۔ دیکھئے قرآن کیا کہہ رہا ہے:

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِن جَاءَكُمْ فَاسِقٌ بِنَبَإٍ فَتَبَيَّنُوا أَن تُصِيبُوا قَوْمًا بِجَهَالَةٍ فَتُصْبِحُوا عَلَىٰ مَا فَعَلْتُمْ نَادِمِينَ ﴿الحجرات:٦﴾

مومنو! اگر کوئی بدکردار تمہارے پاس کوئی خبر لے کر آئے تو خوب تحقیق کر لیا کرو (مبادا) کہ کسی قوم کو نادانی سے نقصان پہنچادو۔ پھر تم کو اپنے کئے پر نادم ہونا پڑے۔

اور مزید یہ کہ:

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا كُونُوا قَوَّامِينَ لِلَّهِ شُهَدَاءَ بِالْقِسْطِ وَلَا يَجْرِمَنَّكُمْ شَنَآنُ قَوْمٍ عَلَىٰ أَلَّا تَعْدِلُوا اعْدِلُوا هُوَ أَقْرَبُ لِلتَّقْوَىٰ وَاتَّقُوا اللَّهَ إِنَّ اللَّهَ خَبِيرٌ بِمَا تَعْمَلُونَ ﴿المائدة:٨﴾

اے ایمان والوں! خدا کے لیے انصاف کی گواہی دینے کے لیے کھڑے ہو جایا کرو۔ اور لوگوں کی دشمنی تم کو اس بات پر آمادہ نہ کرے کہ انصاف چھوڑ دو۔ انصاف کیا کرو کہ یہی پرہیز گاری کی بات ہے اور خدا سے ڈرتے رہو۔ کچھ شک نہیں کہ خدا تمہارے سب اعمال سے خبر دار ہے

لیکن افسوس کہ ان قرآنی احکام کو کھلم کھلا ٹھکرا کر صرف مولانا مودودی سے نظریاتی اختلاف کی بنا پر ان کے خلاف دن رات جھوٹا پراپیگنڈا کیا جاتا رہا اور اس پر یہ بھی دعویٰ کیا جاتا رہا کہ حاملینِ قرآن تو بس ہم ہیں۔

میرا ذاتی طور پہ جماعتِ اسلامی سے کوئی تعلق نہیں ہے لیکن تفہیم القرآن کی وجہ سے میرا مولانا مودودی صاحب سے بلا واسطہ تعلق ضرور ہے اور جھوٹ کے خلاف میں نے ہمیشہ علمِ حق بلند کیا ہے حتیٰ کہ میں جناب غلام احمد پرویز کے خلاف بولے جانے والے وہ جھوٹ بھی سامنے لے کر آیا جو ان کے پیروکار ہونے کے دعوے دار ان کا نام لے کر بولتے تھے، کچھ دوست اس بات پہ مجھ سے ناراض بھی ہوئے کہ کبھی کبھی میں پرویز صاحب کی طرف جھک جاتا ہوں یا ان کی بے جا حمایت کرنا شروع ہو جاتا ہوں لیکن مجھے صرف اس سے مطلب ہے کہ کسی کا بھی نام لے کر جھوٹ نا پھیلایا جائے اور نہ کسی شخصیت کے سر وہ الزام تھوپا جائے جو اس سے کبھی سرزد ہوا ہی نہیں ہے۔

اب ہم مولانا مودودی خلاف پیش کئے جانے والے الزامات کی حقیقت جانتے ہیں۔
اگلے صفحے پہ آپ وہ چیتھڑا دیکھ لیں گے جس کی وجہ سے یہ کتاب لکھی گئی ہے۔ الزامات کا جواب دیتے ہوئے ناگزیر وجوہات کی بنا پر الزامات کی ترتیب میں تھوڑا فرق آگیا ہے۔ اور کچھ الزامات کا مجھے اصلی حوالہ نہیں مل سکا لیکن ظاہر ہے جہاں ۸۰ فیصد الزامات جھوٹ ثابت ہوئے وہ بھی جھوٹ ہی ہوں گے۔ باقی انشاء اللہ میں تحقیق جاری رکھوں گا جو نیا مواد ملا اسی حساب سے اس کتاب کو اپ ڈیٹ کر دوں گا۔

مساوات 19-11-88

تمہیں یاد ہو کہ نہ یاد ہو

جماعت اسلامی کے بانی مولانا مودودی کے ”ارشادات“

”پاکستان کا قیام اور اس کی پیدائش درندے کے برابر ہے۔“
(ترجمان القرآن جلد نمبر ۳۱ صفحہ نمبر ۹۵ اشاعت ۱۹۴۸ء پاکستان نمبر)

”محمد علی جناح کا مقام مسندِ پیشوائی نہیں بلکہ بحیثیت غدار عدالت کا کٹہرا ہے۔“
(ترجمان القرآن جلد نمبر ۳۱ صفحہ ۴۲ اشاعت ۱۹۴۸ء)

”تقسیم ہند کے تین اداکار تھے اور محمد علی جناح کی اداکاری سب سے زیادہ ناکام رہی۔“
(ترجمان القرآن جلد نمبر ۳۱ صفحہ ۷۰ اشاعت ۱۹۴۸ء)

”مسلم لیگ کو ووٹ دینا حرام ہے“
(ترجمان القرآن جلد نمبر ۲۸ صفحہ ۱۲۵ اشاعت پٹھان کوٹ)

”محمد علی جناح جنت الحمقاء (احمقوں کی جنت) کا بانی اور اجلِ فاجر (گنہگار انسان) ہے۔“
(ترجمان القرآن فروری ۱۹۴۷ء صفحہ ۱۵۳)

”پاکستان جنت الحمقاء اور مسلمانوں کی [illegible] حکومت ہے۔“
(ترجمان القرآن ۱۹۴۷ء صفحہ ۱۵۴)

”پاکستان لاکھوں کروڑوں ڈاکوؤں، لٹیروں، قاتلوں، زانیوں اور سخت کمینہ صفت ظالموں سے بھرا ہوا ہے۔“
(ترجمان القرآن جلد نمبر ۳۱ صفحہ ۵۹)

”انتخابی مہم شکاری کتوں کی دوڑ ہے۔“
(کوثر ۲۸ جنوری ۱۹۵۰ء)

”مسلم لیگ خدا سے بے خوف اور اخلاق کی بندشوں سے آزاد جماعت ہے جس نے ہمارے اجتماعی ماحول کو بیت الخلاء سے بھی زیادہ گندا کر دیا۔“
(جماعتِ اسلامی کی انتخابی جدوجہد صفحہ ۱۰ شائع کردہ شعبہ نشر و اشاعت)

”مہاجر وہ بھگوڑے اور بزدل ہیں جنہوں نے قومیت کی جنگ لڑی اور جب سزا بھگتنے کی باری آئی تو [illegible]۔“
(بیان مولانا مودودی نوائے وقت ۲۹ اگست ۱۹۴۸ء)

قادیانیوں کی طرف سے پیش کیے جانے چیتھڑے کا عکس

آئینہ حقیقت نما

پہلا الزام ان الفاظ کے ساتھ پیش کیا جاتا ہے:

"پاکستان کا قیام اور اس کی پیدائش درندے کے برابر ہے۔"

ترجمان القرآن جلد نمبر 31، صفحہ نمبر 59، اشاعت 1948ء

اور دوسرا الزام اس جملے کی صورت میں پیش کیا جاتا ہے:

"پاکستان لاکھوں کروڑوں ڈاکوؤں، لٹیروں، قاتلوں، زانیوں اور سخت کمینہ صفت لوگوں سے بھرا ہوا ہے۔"

ترجمان القرآن جلد نمبر 31، صفحہ نمبر 59 ، اشاعت 1948ء

سب قارئین جانتے ہیں کہ رپورٹنگ کا سب سے اہم اصول یہ ہے کہ اگر آپ نے کوئی جملہ یا پیرا inverted commas میں لکھا ہے یا پھر کسی کتاب یا میگزین کا ریفرنس دیا ہے تو اس کا مطلب ہے کہ جس شخص سے یہ بات منسوب کی جا رہی ہے۔ اس نے بالکل یہی الفاظ کہے ہیں یا جو حوالہ دیا جا رہا ہے وہاں ہو بہو یہی بات درج ہے لیکن آپ لوگ اسکین پیج میں دیکھ سکتے ہیں کہ دونوں اصولوں کو یہاں پامال کیا گیا ہے اور بالکل جھوٹی بات مولانا مودودی صاحب سے منسوب کی گئی ہے۔ اصل میں مولانا اس مضمون میں برِ صغیر کے ہندو مسلم رہنماؤں کو سرزنش کر رہے ہیں کہ صرف ان کی لا

پروائی کی وجہ سے تقسیمِ ہند کے موقع پر اتنے زیادہ فسادات ہوئے ہیں اور لاکھوں کی تعداد میں بے گناہ انسانوں کا خون بہا ہے۔

اب آپ لوگ اگلے صفحہ پر ترجمان القرآن کے شمارے کا اسکین پیج دیکھیے:

تلی اور یہ تندی اختیار نہیں کی ہے۔ انسان انسان سے بارہا لڑا ہے، مگر لڑائی میں کمینہ پن اور بدمعاشی کا جو مظاہرہ یہاں ہوا ہے، یہ اپنی نظیر بس آپ ہی ہے۔ یہاں انسان صورت جانوروں نے وہ وہ کام کیے ہیں کہ اگر کتوں اور بھیڑیوں پر ان کا الزام تھوپ دیا جائے تو وہ بھی اسے اپنی توہین محسوس کریں۔ اور یہ کرتوت چند گنے چنے بدمعاشوں کے نہیں تھے بلکہ پوری پوری قوموں نے اپنے آپ کو بدمعاش ثابت کیا، باقاعدہ حکومتیں بدمعاش بن گئیں، بڑے بڑے لیڈروں اور رئیسوں اور وزیروں نے بدمعاشی کی اسکیم سوچی اور حکومتوں کے پورے نظم و نسق نے اپنے مجسٹریٹوں اور اپنی پولیس اور اپنی فوج کے ذریعہ سے اس اسکیم کو عملی جامہ پہنایا۔ دو سال پہلے تک ہمیں اندازہ نہیں تھا کہ جس ملک میں ہم رہتے ہیں اس کی آبادی کا اخلاقی زوال اس انتہا کو پہنچ چکا ہے۔ نفیس لباسوں، اعلیٰ ڈگریوں اور بڑے ناموں کے پردے میں جو شخصیتیں چھپی ہوئی تھیں ان کو ہم شرفا میں شمار کرتے تھے۔ عام آبادی کے پرامن رویے کو دیکھ کر ہم سمجھتے تھے کہ یہ بھلے انسانوں کی بستیاں ہیں۔ مگر افسوس کہ واقعات نے اس سارے حسن ظن کا پردہ چاک کر دیا۔ معلوم ہوا کہ پہلے جو کچھ ہم دیکھ رہے تھے وہ محض انگریز کی سنگین کا کرشمہ تھا۔ اس سنگین کے ہٹتے ہی یہ حقیقت کھل گئی کہ یہ ملک لاکھوں کروڑوں ڈاکوؤں، لٹیروں، قاتلوں، زانیوں اور سخت کمینہ صفت ظالموں سے بھرا ہوا تھا۔

کیا یہ سب کچھ جو واقع ہوا محض ایک اتفاقی حادثہ تھا؟ ــــ جو لوگ پچھلے تیس سال سے اس ملک کی رہنمائی کرتے رہے ہیں، اور جن کی قیادت میں یہ انقلاب رونما ہوا ہے، وہ ایسا ہی کچھ ثابت کرنے کی کوشش کر رہے ہیں۔ وہ اس فساد عظیم کے اسباب کی بحث کو باتوں میں ٹالنا چاہتے ہیں۔ وہ اس کی ایک شاعرانہ توجیہ ہمارے سامنے پیش کرتے ہیں کہ کشت و خون اور ظلم و ستم کا یہ مظاہرہ کوئی غیر معمولی چیز نہیں ہے جس پر کچھ فکرمند ہونے کی ضرورت ہو، یہ تو ایک آزاد قوم کی ولادت کے درد ہیں جو ایسے موقع پر ہوا ہی کرتے ہیں۔ حالانکہ اگر یہ ولادت کے درد ہی تھے تو یہ دنیا کو ایک درندے کی پیدائش کی خوشخبری دے رہے تھے نہ کہ ایک انسان کے تولد کی۔ انہوں نے دنیا کو جو اطلاع دی

قارئین نے ترجمان القرآن کے اس شمارے کا یہ پورا اسکین پیج پڑھ لیا ہو گا کہ مولانا دراصل تقسیمِ ہند کے موقع پر ہونے والے فسادات پر غم و غصہ کا اظہار کر رہے ہیں۔ اور سارے برصغیر کے عوام اور ان کے لیڈروں کو قصوروار ٹھہرا رہے ہیں جو ان فسادات کا بلا واسطہ یا بلواسطہ حصہ بنے یا جنہوں نے ان فسادات کو ٹالنے اور عوام کی جان و مال کی حفاظت کے لیے اپنا کردار ادا نہیں کیا۔ پاکستان کا کوئی ذکر آپ کو اس صفحے پر نظر نہیں آئے گا۔ میں نے وہ جملے انڈر لائن کر دیے ہیں جن کو بنیاد بنا کر یہ جھوٹ گھڑا گیا ہے اور ثابت ہوا کہ یہ مولانا کو بدنام کرنے کی ایک بھونڈی کوشش تھی ناکام ہوئی اور پیش کرنے والوں کا دھوکے باز اور فریبی ہونا ثابت ہو گیا۔ آگے چل کر ہم دیکھیں گے کہ اسی طرح کی تنقید جناب غلام احمد پرویز نے لیگی رہنماؤں پر کی ہے۔

تیسرا الزام یہ ہے۔

"محمد علی جناح کا مقام مسند پیشوائی نہیں بلکہ بحیثیت غدار عدالت کا کٹہرا ہے۔"

ترجمان القرآن جلد نمبر 31، صفحہ نمبر 62 ، اشاعت 1948ء

اور چوتھا الزام ان الفاظ میں دہرایا گیا ہے۔

"تقسیمِ ہند کے تین اداکار تھے اور محمد علی جناح کی اداکاری سب سے زیادہ ناکام رہی۔

ترجمان القرآن جلد نمبر 31، صفحہ نمبر 70 ، اشاعت 1948ء

یہ بھی ایک بے بنیاد اور جھوٹا الزام ہے اور مولانا کی بات کو مروڑ تروڑ کر پیش کیا گیا ہے حالانکہ اپنے مضمون میں مولانا نے قائداعظم کا نام تک نہیں لیا بلکہ فسادت کے ذمہ دار رہنماؤں کو انصاف کے کٹہرے میں لانے کی بات کی ہے۔ نہ یہاں تقسیمِ ہند کے تین اداکاروں کا ذکر ہے اور نہ قائداعظم کی ناکام اداکاری کی کوئی بات کی گئی ہے۔ اب آپ اسکین پیج پڑھیے:

یہی دو اسباب ہیں جنہوں نے مل جل کر وہ ہولناک نتائج پیدا کیے جو ہماری آنکھیں ابھی ابھی دیکھ چکی ہیں۔ ظاہر ہے کہ
اس کی ذمہ داری سے وہ لوگ بری نہیں ہو سکتے جو اس دور میں یہاں کی مختلف قوموں کے رہنما اور سربراہ کار
رہے ہیں۔ یہی تو وہ لوگ ہیں جنہوں نے ایک طرف اپنی اپنی قوم کے لوگوں میں قومی خواہشات برانگیختہ کیں اور
دوسری طرف قومی اخلاق کو سنبھالنے کے لئے کچھ نہ کیا۔ بلکہ صحیح یہ ہے کہ اسے گرایا اور گرنے میں خود اس کی پیشوائی کی

ترجمان القرآن جلد ۱۳ عدد ۲ — ۶۲ — اشارات

لی۔ اگر یہ اس کھیل کے نتائج سے بے خبر تھے تو سخت اناڑی تھے۔ ایسے اناڑی اس قابل نہیں ہیں کہ کروڑوں
انسانوں کی قسمتوں کے ساتھ بازی گری کرنے کے لئے انہیں چھوڑ دیا جائے۔ اور اگر انہوں نے جان بوجھ کر یہ
سارا کھیل کھیلا تو درحقیقت یہ انسانیت کے اور خود اپنی قوم کے دشمن ہیں۔ ان کا صحیح مقام پیشوائی کی مسند نہیں
بلکہ عدالت کا کٹہرا ہے جہاں ان کے اعمال کا محاسبہ ہونا چاہیے۔

قارئین نے پڑھ لیا کہ مولانا مجموعی طور پر برِ صغیر کے رہنماؤں (چاہے وہ ہندو ہوں، سکھ ہوں یا مسلمان) کے ناقص کردار کے بارے میں بات کر رہے ہیں جو انہوں نے فسادات کے دوران ادا کیا۔ اس میں قائدِ اعظم کا ذکر تک نہیں ہے۔ اور کسی بھی اہم واقعے کی عدالتی تحقیق کا مطالبہ کرنا کوئی ایسی قابلِ اعتراض بات نہیں ہے جس کی وجہ سے مولانا مودودی صاحب پر کوئی الزام آئے۔

نوٹ: مولانا سے منسوب یہ بیان "تقسیمِ ہند کے تین اداکار تھے اور محمد علی جناح کی اداکاری سب سے زیادہ ناکام رہی۔"
غلط صفحہ نمبر کا حوالہ دے کر پیش کیا گیا ہے شاید یہ چیتھڑا اتیار کرنے والا اس وقت اپنی آنکھوں پہ تعصب کی بہت موٹی پٹی

باندھ کر اپنا کام سر انجام دے رہا تھا، یا جان بوجھ کر ایسا کیا ہو گا کہ کون ہمارا محاسبہ کرے گا؟ اصل میں یہ بیان مولانا کی تحریر کے ایک جملے سے اخذ کرنے کی کوشش کی گئی ہے جسے میں پچھلے اسکین میں انڈر لائن کر چکا ہوں اور یہ صفحہ ۶۲ تھا نا کہ صفحہ ۷۰۔ اب میں متعلقہ شمارے کا صفحہ ۷۰ لگا رہا ہوں اور قارئین دیکھ لیں گے کہ وہاں اس طرح کی کوئی بات نہیں کی گئی یہ صرف قادیانیوں کی ذاتی خواہش تھی جسے انہوں نے خبر بنا کر پیچ کر دیا اور پرویزیوں نے ان کا ایجنٹ بن کر اسے چار سو پھیلایا۔

ترجمان القرآن جلد ۳۱ عدد ۲ ۷۰ اسلام کا نظام حیات

اور یہ جواب دہی اُسے اس دنیا میں نہیں بلکہ آخرت میں کرنی ہے۔ دنیا کی موجودہ زندگی دراصل امتحان کی مہلت ہے اور یہاں انسان کی تمام سعی و کوشش اِس مقصد پر مرکوز ہونی چاہیئے کہ وہ آخرت کی جوابدہی میں اپنے خدا کے حضور کامیاب ہو۔ اس امتحان میں انسان اپنے پورے وجود کے ساتھ شریک ہے۔ اس کی تمام قوتوں اور قابلیتوں کا امتحان ہے۔ زندگی کے ہر پہلو کا امتحان ہے۔ پوری کائنات میں جس جس چیز سے جیسا کچھ بھی اس کو سابقہ پیش آتا ہے اس کی بے لاگ جانچ ہونی ہے کہ انسان نے اس کے ساتھ کیسا معاملہ کیا۔ اور یہ جانچ وہ ہستی کرنے والی ہے جس نے زمین کے ذرّوں پر ہوا اور پانی پر کائناتی لہروں پر اور خود انسان کے اپنے دل و دماغ اور دست و پا پر اس کی حرکات و سکنات ہی کا نہیں بلکہ اس کے خیالات اور ارادوں تک کا ٹھیک ٹھیک ریکارڈ مہیا کر رکھا ہے۔

یہ ہے وہ جواب جو اسلام نے زندگی کے بنیادی سوالات کا دیا ہے۔ یہ تصورِ کائنات و انسان اُس اصلی اور انتہائی بھلائی کو متعین کر دیتا ہے جس کو پہنچنا انسانی سعی و عمل کا مقصود ہونا چاہیئے اور وہ ہے خدا کی رضا۔ یہی وہ معیار ہے جس پر اسلام کے اخلاقی نظام میں کسی طرزِ عمل کو پرکھ کر یہ فیصلہ کیا جاتا ہے کہ وہ خیر ہے یا شر۔ اس کے تعین سے اخلاق کو وہ محور مل جاتا ہے جس کے گرد پوری اخلاقی زندگی گھومتی ہے اور اس کی حالت بے لنگر کے جہاز کی سی نہیں رہتی کہ ہوا کے جھونکے اور سمندر کے تھپیڑے اسے ہر طرف دوڑاتے پھریں۔ یہ تعین ایک مرکزی مقصد سامنے رکھ دیتا ہے جس کے لحاظ سے زندگی میں تمام اخلاقی صفات کی مناسب حدیں، مناسب جگہیں اور مناسب عملی صورتیں مقرر ہو جاتی ہیں، اور ہمیں وہ مستقل اخلاقی قدریں ہاتھ لگ جاتی ہیں جو تمام بدلتے ہوئے حالات میں اپنی جگہ ثابت و قائم رہ سکیں۔ پھر سب سے بڑی بات یہ ہے کہ رضائے الٰہی کے مقصود قرار پا جانے سے اخلاق کو ایک بلند ترین غایت مل جاتی ہے جس کی بدولت اخلاقی ارتقاء کے امکانات لامتناہی ہو سکتے ہیں اور کسی مرحلہ پر بھی اغراض پرستی کی آلائشیں اس کو ملوث نہیں کر سکتیں۔

معیار دینے کے ساتھ اسلام اپنے اِسی تصورِ کائنات و انسان سے ہم کو اخلاقی حسن و قبح کے علم کا ایک مستقل ذریعہ بھی دیتا ہے۔ اس نے ہمارے اخلاقی علم کو محض عقل، یا خواہشات، یا تجربے، یا

۱۳

مولانا مودودی پر دو الزامات قائد اعظم اور پاکستان کے حوالے سے لگائے گئے ہیں اور مزے کی بات یہ ہے کہ بطورِ حوالہ 1946ء کا ترجمان القرآن پیش کیا گیا ہے جبکہ پاکستان نامی کسی ریاست کا وجود نہیں تھا پھر پتا نہیں قائد اعظم اس کے بانی کیسے بن گئے اور مسلمانوں کی کون سی کافرانہ حکومت پاکستان میں قائم ہوگئی تھی جس کے خلاف مولانا نے بیان دیا اور قادیانیوں اور پرویزیوں نے بنا عقل استعمال کیے مولانا کے خلاف پراپیگنڈہ شروع کر دیا۔ وہ بیانات مندرجہ ذیل ہیں:

"محمد علی جناح جنت الحمقاء (احمقوں کی جنت) کا بانی اور اجلِ فاجر (گنہگار انسان) ہے۔"

ترجمان القرآن، فروری 1946، صفحہ 153

"پاکستان جنت الحمقاء اور مسلمانوں کی کافرانہ حکومت ہے۔"

ترجمان القرآن ، فروری 1946، صفحہ 154

قارئین نوٹ کرلیں کہ یہاں بھی inverted commas استعمال کیے گئے ہیں جس کا مطلب ہے کہ مولانا نے بالکل یہی الفاظ استعمال کیے ہیں۔ اب میں دونوں بیانات کے حوالے سے اگلے صفحے پر اسکین پیج لگا رہا ہوں جس سے پتا چل جائے گا کہ قادیانیوں کے الزامات جھوٹ کا پلندہ ہیں۔

اس لیے وہ سمجھتے ہیں کہ اس جماعت نے محض علیحدگی و اجتناب کا سلبی پہلو اختیار کر رکھا ہے جس سے اصلاح تو کسی طرح نہ ہوگی البتہ اقتدار کی تلوار برے لوگوں کے ہاتھ میں جا کر باطل کو اور زیادہ مضبوطی کے ساتھ جمانے میں استعمال ہوگی۔ اس غلط فہمی میں نہ صرف صاحب مضمون مبتلا ہیں، بلکہ بکثرت لوگ اسی طرز پر سوچ رہے ہیں اور اس کی اصل وجہ سطح بینی اور قلت فکر و تدبر کے سوا اور کچھ نہیں ہے۔ دراصل یہ حضرات اس بات کو سمجھنے کی کوشش نہیں کرتے کہ کروڑوں مسلمانوں کے موجود ہوتے ہوئے موجودہ کافرانہ نظام اس ملک میں آخر قائم کیسے ہو گیا اور کیا وجہ ہے کہ ملک کا سارا دستوری ارتقا انہی کافرانہ اصولوں پر ہوتے چلا جا رہا ہے۔ اس سوال پر اگر انھوں نے کچھ غور کیا ہوتا تو ان پر خود یہ حقیقت منکشف ہو جاتی کہ اس خرابی کی اصل وجہ صرف یہ ہے کہ مسلمانوں میں عموماً شعور اسلامی مردہ یا نیم مردہ ہو گیا ہے۔ ان کے اندر اسلامی دستور حیات پر ادراس کے لیے جینے اور مرنے کا ارادہ مفقود یا فقدان کی حد تک ضعیف ہے۔ اور انھوں نے ہندوستان کے غیر مسلم باشندوں کو بھی صحیح نظام زندگی سمجھانے اور اس کی طرف دعوت دینے کی کوئی کوشش نہیں کی ہے۔ اسی وجہ سے مسلمانوں کی اپنی زندگی بھی فکری، اخلاقی اور تمدنی حیثیت سے بیشتر غیر اسلامی ہو گئی ہے اور ہندوستان کا پورا نظام تمدن و سیاست بھی کافرانہ اصولوں پر قائم ہوا ہے۔ اب اس خرابی کا اور اس کے برے نتائج کا مداوا کرنے کے لیے اس قسم کی تدابیر سے کچھ کام نہیں چل سکتا کہ اس کافرانہ نظام کی مشینری میں ہم چند نیک مومنوں کو بھی جا گھسانے کی کوشش کریں۔ تھوڑی دیر کے لیے اگر اس اصولی سوال کو نظر انداز کر بھی دیا جائے کہ ایک نیک مومن اس مشینری کی کافرانہ بنیادوں کو تسلیم کر کے اس میں داخل ہونے پر آمادہ ہی کیسے ہو سکتا ہے، اور اگر تقیہ کے شیعی طریقہ کو اختیار کر کے چند مومن اس نظام میں داخل ہونے پر آمادہ ہو بھی جائیں، تو دیکھنا یہ ہے کہ اس تدبیر سے حاصل کیا ہو سکتا ہے:

جمہوری نظام میں کوئی گروہ اپنے اصول کے مطابق نظام حکومت کو اس وقت تک ہرگز نہیں چلا سکتا جب تک کہ وہ حکومت کی مشینری پر قابض نہ ہو۔

حکومت کی مشینری پر قابض ہونے کے لیے ضروری ہے کہ مجلس قانون ساز میں اس کو غالب

اکثریت حاصل ہو۔

اس غالب اکثریت کا حصول بحالات موجودہ ہندوستان کے ایک بڑے حصہ میں اہل ایمان کے لیے ممکن نہیں ہے، کیونکہ اس وقت اسلام اس ملک میں ایک ایسی اصولی تحریک کی حیثیت نہیں رکھتا جس کے علمبردار باشندگان ملک سے محض اپنے اصولوں کی بنا پر عام اپیل کر سکتے ہوں اور یہ امید کی جا سکے کہ وہ اپنی دعوت کو مقبول عام بنا کر اکثریت کی تائید حاصل کر لیں گے۔ فی الحال تو اسلام ہندوستان کی ایک ایسی قوم کا مذہب ہے جس کی دوسری قوموں سے کشمکش ہو رہی ہے۔ لہٰذا اگر کوئی گروہ اس وقت خالص اسلامی اصول لے کر انتخابی مقابلہ میں اترے گا تو مسلمان قومیت کے پرستاروں کی طرح اس کو بھی صرف موجودہ مسلمان قوم ہی کے ووٹوں پر انحصار کرنا پڑے گا، اور معلوم ہے کہ یہ قوم ملک کے بڑے حصہ میں بجائے خود اقلیت میں ہے۔

رہے وہ علاقے جہاں مسلمانوں کو اکثریت حاصل ہے، تو اگر بالفرض وہ پاکستان کی صورت میں خود مختار ہو جائیں اور ایک مستقل صاحب حاکمیت اسٹیٹ کی حیثیت بھی ان کو حاصل ہو جائے تب بھی خالص اسلامی اصولوں پر جو گروہ کام کرنا چاہتا ہو اس کے غالب اکثریت حاصل کرنے کا بحالت موجودہ یہاں بھی کوئی امکان نہیں ہے، کیونکہ اس کے اکثریت حاصل کرنے کا تمام تر انحصار مسلمانوں کی رائے عام پر ہے اور مسلمانوں کی رائے عام اس وقت بالکل ناتربیت یافتہ ہے۔ اسلامی فہم و شعور سے بہت بڑی حد تک عاری ہے اور اسلامی مقاصد کی بہ نسبت اپنی دنیوی خواہشات و اغراض کے عشق میں بری طرح مبتلا ہے۔ اس رائے عام کی تائید سے کسی ایسے گروہ کا اکثریت کے ساتھ منتخب ہونا تقریباً ناممکن ہے جو بے لاگ طریقہ سے خالص اسلامی اصولوں پر کام کرنا چاہتا ہو۔

پھر اگر بالفرض ایسا ایک گروہ اکثریت میں منتخب ہو بھی جائے تو جو حالات اس وقت پائے جاتے ہیں ان میں یہ ممکن نہیں ہے کہ آزاد پاکستان کے نظام کو اسلامی دستور میں تبدیل کیا جا سکے کیونکہ جنت الحمقا میں رہنے والے لوگ اپنے خوابوں میں خواہ کتنے ہی سبز باغ دیکھ رہے ہوں، لیکن آزاد پاکستان (اگر فی الواقع وہ بنا بھی تو) لازماً جمہوری لادینی اسٹیٹ کے نظریہ پر بنے گا جس میں غیر مسلم

تو قارئین نے دیکھ لیا ہو گا کہ نہ پاکستان کو جنت الحمقاء کہا گیا ہے (کیونکہ پاکستان کا تو وجود ہی نہیں تھا) اور نہ قائد اعظم کو اجلِ فاجر کہا گیا ہے۔ اور مولانا کی یہ بات بالکل درست تھی کہ اگر مسلم لیگ کی تحریک کے نتیجے میں پاکستان بنا تو وہ سیکولر اسٹیٹ ہی بنے گا کیونکہ پاکستان بننے کے بعد اسلام کو نافذ کرنے کے کوئی عملی اقدامات نہیں اٹھائے گئے (چاہے وہ قرآن و سنت والا اسلام ہو یا "صرف قرآن" والا اسلام)۔ بلکہ پاکستان بننے کے فوراً بعد مسلم لیگی وزیر فیروز خان نون نے پردے کی مخالفت میں بیان دے ڈالا اور مسلمانوں کو ترکی اور ایران سے اسلام سمجھنے کا مشورہ دے دیا حالانکہ یہ دونوں ملک اس دور میں انتہا درجہ کے سیکولر تھے۔ ترکی میں اسلامی نظام کا نام لینے کی سزا موت تھی اور ایران کی "عفت مآب" بیٹیاں اسکرٹ پہن کر گھوما کرتی تھیں۔ پڑھئیے کہ لیگی رہنما نے کیا کہا۔

اسلامی حکومتیں

اسلامی دنیا کے یوم' تقریب (کراچی) میں تقریر کرتے ہوئے محترم ملک فیروز خاں صاحب نون نے فرمایا۔

مسلمانوں کو پردہ اٹھا دینا چاہیئے کیونکہ یہ ان کی ترقی کی راہ میں حائل ہے۔ انہیں خود قرآن پڑھنا چاہیئے اور محض ان باتوں کی پیروی نہیں کر لینی چاہیئے جو مُلّا کہتا ہے اس لئے کہ مُلّا روح اسلامی سے ناآشنا ہے۔ مسلمانان پاکستان کو ترکی اور ایران کی طرف دیکھنا چاہیئے۔ اور ان ہی سے اسلام کا مفہوم سمجھنا چاہیئے۔ کیونکہ یہی ممالک اسلامی اور ترقی یافتہ ہیں۔

(ڈان ۱۰ مئی)

طلوعِ اسلام، جون ۱۹۴۸، صفحہ ۱۹،۲۰

محترم فیروز خان نون کے اس "روح پرور" بیان پر جناب غلام احمد پرویز نے ان الفاظ تند و تیز الفاظ میں تبصرہ فرمایا۔

ہم اس وقت پردہ کی بحث کو نہیں چھیڑنا چاہتے کہ یہ بحث اہم اور معاملہ نازک ہے اور ضمناً اس پر گفتگو نہیں ہوسکتی۔ طلوع اسلام کے پاس اس باب میں متعدد تقاضے پہنچ چکے ہیں۔ جونہی اہم موضوعات سے فرصت ملی انشاء اللہ اس معاشرتی مسئلہ پر بھی قرآن کی روشنی میں تفصیلی گفتگو ہو جائے گی۔ اس وقت صرف ہمیں یہ بتانا ہے کہ ان حضرات کے سامنے اسلامی حکومتوں کی بہترین مثال ترکی اور ایران ہے۔ ترکی کانوں پر ہاتھ رکھ رہا ہے کہ ہماری حکومت اسلامی نہیں۔ غیر دینی (Secular) ہے اور ایران پر اس ملوکیت کی لعنت مسلط ہے جسے مٹانے کے لئے اسلام آیا تھا۔ یہ ہیں ہمارے اکابر جن سے مسلمان توقع وابستہ کئے بیٹھے ہیں کہ پاکستان میں اسلامی نظام کا نفاذ کریں گے۔ جو مسلمانوں کو اسلام فہمی کے لئے ترکی اور ایران کی طرف رجوع کرنے کی تلقین کریں ان کی اسلام فہمی کو ہزار سلام۔
اس سہاگ سے تو رنڈاپا اچھا۔

لیکن ملک صاحب کو تو پردہ اٹھانے کی سند درکار تھی۔ وہ جس جگہ سے مل جائے اسلامی ہے۔

طلوعِ اسلام ، جون ۱۹۴۸، صفحہ ۲۰

اب قارئین خود فیصلہ کرلیں کہ جو لوگ سمجھتے تھے کہ مسلم لیگ پاکستان کو اسلامی قوانین کے مطابق چلائے گی وہ جنت الحمقا میں بیٹھے اپنے خوابوں میں سبز باغ دیکھ رہے تھے کہ نہیں؟ اور کیا مولانا مودودی کی پیشن گوئی حرف بحرف پوری ہوئی کہ نہیں؟

"مسلم لیگ کو ووٹ دینا حرام ہے۔"

ترجمان القرآن، صفحہ نمبر ۱۴۵

یہ بھی ایک بے بنیاد الزام ہے کہ مولانا نے انتخابات میں ووٹ ڈالنے کو حرام قرار دیا ہے اور مولانا نے پارلیمنٹ کے لامحدود اختیارات پہ سوال اٹھایا ہے اور اس کی وجہ بالکل واضح ہے کہ مغربی جمہوریت کی طرز پہ پاکستان جیسے اسلامی ملک میں ایسی پارلیمنٹ وجود میں نہیں آسکتی جسے لامحدود اختیارات حاصل ہوں۔ اسی لیے قرارِ داد مقاصد پاس کی گئی تھی کہ اقتدارِ اعلیٰ کی مالک اللہ پاک کی ذات ہے اور پارلیمنٹ کوئی ایسا قانون پاس نہیں کر سکتی جو اسلامی اقدار کے خلاف ہے۔ یہ قراردادِ مقاصد ہی ہے جو پاکستان میں سیکولر ازم کو لگام ڈال کر رکھتی ہے۔ آپ کسی بھی سیکولر روشن خیال کے سامنے قراردادِ مقاصد کا ذکر چھیڑ دیں اس کے پیٹ میں مروڑ اٹھنا شروع ہو جائیں گے اور وہ وہیں ہزیان بکنا شروع کر دے گا۔

خیر یہاں دھوکہ بازی کرنے کی کوشش کی گئی ہے اور زبردستی مسلم لیگ کو گھسیڑ دیا گیا ہے تاکہ پاکستانی قومیت کے نام عوام کے جذبات کو مولانا مودودی کے خلاف ابھارا جاسکے حالانکہ مذکورہ صفحے پر مسلم لیگ کا نام ونشان نہیں ہے لیکن کیسے فراڈ اور دغابازی کرتے ہوئے بیان کو commas کے اندر لکھا گیا ہے کہ گویا یہ مولانا مودودی کا ارشاد ہے۔ باقی اگلے صفحات میں آپ لوگ مسلم لیگ کا "کردار" بھی غلام احمد پرویز صاحب کے الفاظ میں ملاحظہ کرلیں گے کہ اگر مولانا مسلم لیگ کو ووٹ ڈالنا حرام بھی قرار دیتے تو یہ عین ثواب کا کام ہوتا۔

اگلے صفحے پر اسکین پیج ملاحظہ کرلیں۔ میں نے وہ فقرہ انڈر لائن کر دیا ہے جس کی بنیاد پہ یہ جھوٹ گھڑا گیا ہے۔ حرام قرار دینے کے الفاظ مولانا محمد عنایت اللہ وارثی کے ہیں مولانا مودودی کے نہیں۔

موجودہ انتخابات اور جماعت اسلامی

از جناب محمد عنایت اللہ صاحب وارثی

کچھ دنوں سے اخبارات میں مولانا مودودی صاحب کے اس مضمون کا تذکرہ ہو رہا ہے جو ایک سوال کے جواب میں سہ روزہ "کوثر" مورخہ ۴ ر اکتوبر ۱۹۴۵ء کے صفحہ ۳ پر شائع ہوا ہے۔ مولانا نے انتخابات کی شرکت اور رائے دہی کو حرام قرار دیتے ہوئے فرمایا کہ:

" ووٹ اور الیکشن کے معاملہ میں ہماری پوزیشن کو صاف صاف ذہن نشین کر لیجیے۔ پیش آمدہ انتخابات یا آئندہ آنے والے انتخابات کی اہمیت جو کچھ بھی ہو اور ان کا جیسا کچھ بھی اثر ہماری قوم یا ملک پر پڑتا ہو، بہرحال ایک با اصول جماعت ہونے کی حیثیت سے ہمارے لیے یہ نا ممکن ہے کہ کسی وقتی مصلحت کی بنا پر ہم ان اصولوں کی قربانی گوارا کر لیں جن پر ہم ایمان لائے ہیں۔ موجودہ نظام کے خلاف ہماری لڑائی ہی اس بنیاد پر ہے کہ یہ نظام حاکمیت جمہور پر قائم ہوا ہے اور جمہور جس پارلیمنٹ یا اسمبلی کو منتخب کریں یہ اس کو قانون بنانے کا غیر مشروط حق دیتا ہے جس کے لیے کوئی بالاتر سند اس کو تسلیم نہیں۔ بخلاف اس کے ہمارے عقیدۂ توحید کا بنیادی تقاضا یہ ہے کہ حاکمیت جمہور کی نہیں بلکہ خدا کی ہو اور آخری سند خدا کی کتاب کو مانا جائے اور قانون سازی جو کچھ بھی ہو کتاب الٰہی کے ماتحت ہو نہ کہ اس سے بے نیاز۔"

دور حاضر کے علما حضرات، کانگریسی ہوں یا احراری، بریلوی ہوں یا دیوبندی، مختلف سیاسی نظریات رکھنے کے باوجود اسمبلیوں کے اشتراک و انسلاک میں متفق العمل ہیں۔ صاف انکار اور بائیکاٹ کی آواز پٹھان کوٹ کے سوا کہیں سے نہیں اٹھی اور وہ بھی اب تک محض ایک انکار ہے۔ ایک مسئلہ کی حیثیت سے یہ معاملہ تشنۂ بحث ہے۔ سطور ذیل میں اجمالی طور پر اپنے تاثرات پیش کرتا ہوں۔ ممکن ہے

تو یہ تھی کل حقیقت قادیانیوں کی طرف سے تیار کردہ مولانا مودودی صاحب کے ان "بیانات" کی جو میں کئی برسوں سے سوشل میڈیا پر گردش کرتے ہوئے دیکھ رہا تھا۔ اور پرویزی حضرات اسے پھیلانے میں سب سے زیادہ پیش پیش تھے۔ اور جب انہیں حوالہ پیش کرنے کو کہا جاتا تو کہتے کہ اچھا اگر ہم جھوٹے ہیں تو لوگ حوالہ لے آؤ۔ امید ہے کہ اب ان کی تشفی ہو جائے گی اور مستقبل میں یہ ٹولہ کوئی بھی بات بنا تحقیق کے پیش کرنے سے باز رہے گا اور "صرف قرآن" کے بیان کردہ اہم اصولوں کو پیشِ نظر رکھے گا۔

اگلے صفحات پر جناب غلام احمد پرویز کی تحریروں میں سے اقتباسات پیش کیے گئے ہیں۔ جن سے پتا چلے گا کہ برِ صغیر کے مسلمانوں کو کس طرح اسلام کا نام لے کر الو بنایا گیا اور مسلم لیگی رہنماؤں کا کردار قیامِ پاکستان سے پہلے اور بعد میں کیا تھا اور کس طرح قیامِ پاکستان کے بعد یہاں کی عوام کی اخلاقی حالت زوال پذیر ہوئی۔

اب ہم آپ کو آئینہ دکھاتے ہیں۔

قارئین مطالعہ کر چکے ہیں کہ قادیانیوں کی طرف سے پیش کردہ تمام بیانات جن کو مولانا مودودی صاحب کی طرف منسوب کیا گیا ہے وہ سراسر فریب اور دغا بازی کی ایک بھونڈی کوشش ہے۔ اس چیتھڑے کے ذریعے بنیادی طور پر یہ ثابت کرنے کی کوشش کی گئی تھی کہ مولانا صاحب قائدِ اعظم، مسلم لیگ اور پاکستان سے ذاتی طور پر بغض رکھتے تھے۔ جبکہ حقیقت میں ترجمان القرآن کے ان شماروں میں شائع ہونے مضامین میں سارے برصغیر کے رہنماؤں پر (ان کی قومیت و مذہب کو قطع نظر کرکے) مثبت تنقید کی گئی تھی اور برِ صغیر کی عوام کے جان و مال اور عزت کے تحفظ کی طرف سے جس طرح اغماض برتا گیا مولانا اس پر چراغ پا تھے۔ اس کے علاوہ قومی بنیادوں پر بننے والی ریاست جس کے لیے جدوجہد اسلام کا نام لے کر کی جارہی تھی مولانا صاحب نے اس بارے جو کچھ لکھا وہ بھی بعد میں حرف بحرف درست ثابت ہوا اور قیامِ پاکستان کے بعد وقوع پذیر ہونے والے واقعات نے یہ ثابت کیا کہ مولانا کا مؤقف بالکل درست تھا۔ مولانا نے اپنی تحریروں میں کسی رہنماء(بشمول قائداعظم) یا جماعت کا نام بطورِ خاص اپنی تحریروں میں نہیں لیا جیسا کہ قادیانیوں نے اس غلیظ چیتھڑے میں ثابت کرنے کی ناکام کوشش کی تھی۔

قادیانیوں کا قلعہ تو مسمار ہو چکا اب ہم چلتے ہیں پرویزیوں کی طرف اور طلوعِ اسلام میں شائع ہونے جناب غلام احمد پرویز کے مختلف مضامین کے حوالوں سے یہ بات ثابت کریں گے مسلم لیگی رہنماؤں نے قیامِ پاکستان کے بعد کس خود غرضانہ اور خود پرستانہ روش کا مظاہرہ کیا اور قیامِ پاکستان سے پہلے مسلمانوں کو جو جھوٹے خواب دکھائے گئے تھے ان سے کس طرح چشم پوشی اختیار کی اور بحیثیت قوم پاکستانی عوام کے اندر کس طرح کا اخلاقی زوال آیا۔ اور ہم اس معاملے میں

پرویزیوں اور قادیانیوں کی طرح جھوٹ اور فریب سے کام نہیں لیں گے بلکہ ہر بیان کا اسکین پیج بھی ماہنامہ طلوعِ اسلام میں سے پیش کریں گے۔ یہ اسکین پیجز آپ کتاب کے آخر میں ملاحظہ کر سکتے ہیں۔

ہمیں کم از کم اس معاملے پر جناب غلام احمد پرویز کی تعریف کرنی چاہئیے کہ قیامِ پاکستان سے قبل وہ مسلم لیگ کے بہت بڑے حمایتی تھے لیکن قیامِ پاکستان کے بعد جب مسلم لیگی "نواب" پٹڑی سے اترے تو ان کی اس روش کو پرویز صاحب نے کھل کر تنقید کا نشانہ بنایا اور میرے خیال میں یہ بہت ہمت کا کام ہے۔

مسلم لیگی لیڈروں کا کردار قیامِ پاکستان سے پہلے:

اب مسلم لیگ کے لیے ایک نئے دور کا آغاز ہے، ہماری دس سالہ جدوجہد میں، لیگ کی حیثیت، ہندوؤں کے مقابلہ میں ایک فریقِ متخاصم سے زیادہ کچھ نہ تھی۔ صورت یہ تھی کہ ایک نہایت قابل اور دیانتدار وکیل تھا جو دنیا کی عدالت میں، ملت اسلامیہ کا مقدمہ لڑ رہا تھا، اسے ضرورت فقط اتنی تھی کہ جب قوم سے کسی عدالت کی طرف سے پوچھا جائے کہ "یہ تمھارا وکیل ہے؟ اور تم نے اسے مختار نامہ دے رکھا ہے؟" تو وہ کہہ دے کہ "بیشک" - لہٰذا ارباب لیگ کے ذمہ اس سر ہلا دینے کے علاوہ، اور کوئی کام نہ تھا، بنابریں لیگ کے مناصب و مدارج کے لیے، یہ معیار انتخاب اتنا ہی تھا کہ وہ شخص اتنی مالی حیثیت رکھتا ہے کہ "عدالتوں" میں حاضری کے لیے خرچہ نہ طلب کرے، اس خرچہ کے معاوضہ میں جو امتیازی شان مل جاتی تھی وہ یقیناً مہنگی نہ تھی، لہٰذا، لیگ کی سیادت وقیادت، ان ارباب دولت وحشمت کے لیے بالعموم "ذہنی عیاشی" سے زیادہ کچھ نہ تھی، نہ انھیں عوام سے کوئی ربط تھا، نہ ان کے احوال وکوائف کی کچھ خبر، نہ ان کے دل میں قوم کا درد تھا، نہ اس درد کے مداوا کی کوئی فکر، اقلیت کے صوبوں میں پھر بھی ان کو "ہندوؤں کی بالادستی کے خلاف" کچھ نہ کچھ کرنا پڑتا تھا، لیکن اکثریت کے صوبوں میں تو عام طور پر "نوابی ٹھاٹھ" تھا، نتیجہ اس کا یہ کہ یہ اکابرین، برف کی سلوں کی طرح، ملت کے قوائے عمل کو مفلوج کیے ہوئے تھے۔

طلوعِ اسلام، مارچ ۱۹۴۸ء، صفحہ ۱۸ تا ۱۹

قیامِ پاکستان کے بعد مسلم لیگی لیڈروں کا کردار:

(۱) انگریز چلا گیا لیکن اُس کے نظام حکومت نے تمھارے قلب ودماغ کو جن سانچوں میں ڈھال دیا تھا، تم نے انھیں بدستور قائم رکھا ہے بلکہ وہ برائیاں، جو پہلے پھر بھی کسی حد تک، انگریز کے خوف یا شرم سے دبی دبی سی رہتی تھیں، ابھر اور نکھر کر سامنے آ گئیں، خارجی دنیا میں پوری کی پوری بساطِ سیاست وحکومت بدل گئی لیکن تمھارے قلب ونگاہ کی دنیا میں قطعاً کوئی تبدیلی نہیں آئی۔

دل نے نئی دنیا بنا ڈالی
تم کو لیکن ذرا خبر نہ ہوئی!

وہی اپنوں سے بیگانگی ومغائرت، وہی مصنوعی رعب وداب، وہی خوشامد پرستانہ مسلک، وہی فریب کارانہ مشرب، وہی حیلہ جوئی اور کام چوری، وہی نالائقی اور نااہلی، وہی خیانت وبددیانتی، وہی اعزہ پروری وجنبہ داری، وہی ظلم واستبداد، وہی جور وستم، کوئی دادخواہ نہیں جو تمھارے ہاتھوں نالاں نہ ہو، کوئی ستم رسیدہ نہیں جو تمھاری نازیبائی سلوک کا شکوہ سنج نہیں۔ ذرا سوچو!

کیا زمانے میں پنپنے کی یہی باتیں ہیں؟

یادرکھو! اگر تم نے خود اپنے آپ کو نہ بدلا تو خدا کا نہ بدلنے والا قانون تمھیں بدل دے گا اور اس کا بدلنا ایسا ہوتا ہے کہ اس میں تختہ الٹ جایا کرتا ہے۔ طلوعِ اسلام، جنوری فروری ۱۹۴۸ء، صفحہ ۱۶

مہاجرین کے ساتھ مسلم لیگی حکومت کا سلوک:

(۴) اب ہماری ہمہ گیر حکومت کی دسترس سے کچھ بھی محفوظ نہیں، موت کے منہ سے، جان جوکھوں میں ڈال کر، جان بچا کر پاکستان میں پناہ ڈھونڈنے والے نیم مردہ، پاکستان میں بھی موت ہی کے منہ میں دھکیلے جا رہے ہیں، کیا اس سے بہتر یہ نہ تھا کہ وہ دشمنوں کی سفاکیوں کی نذر ہو جاتے ؟ کم از کم وہ اس تلخی اور مایوسی کا شکار تو نہ ہوتے، کہ جس پاکستان کی خاطر، انھوں نے سب کچھ قربان کر دیا، وہی ان کی رسوا کن موت کا باعث ہوا، جسے وہ جنت سمجھ رہے تھے، وہ جہنم ثابت ہوا۔ وہ پھول چننے کے لیے بڑھے تو ان کی انگلیوں میں کانٹے پیوست ہوئے، وہ اپنے بنائے ہوئے پاکستان کے قلب میں اترے تو انھیں ٹھکرا دیا گیا، وہ روٹی مانگتے تھے، انھوں نے خون پسینہ ایک کر کے روٹی کمائی اور حکومت پر بوجھ بننا گوارا نہ کیا، لیکن حکومت نے ان کی کمائی ہوئی روٹی ان سے چھین لی اور انھیں اور ان کے بھوکے بیوی بچوں کو بے رحم قانون کے رتھ کے نیچے کچل دیا۔

طلوع اسلام، مارچ ۱۹۴۸ء، صفحہ ۹۰

مسلم لیگی حکومت: نالائق اور بددیانت گروہ:

جو نالائق اور بددیانت گروہ، حالات سے ناجائز فائدہ اٹھا کر مسانید اقتدار پر متمکن ہو چکا ہے، اُسے اُسکی صحیح قدر و قیمت کا آئینہ دکھا کر، اس کے اصلی مقام کی طرف لوٹا دینے کا انتظام کیا جائے، اور اس کے ساتھ ہی نوجوان طبقے کی تطہیرِ فکر اور تربیت قلب، اس انداز میں کی جائے کہ وہ حکومت کے بارِ عظیم کو اٹھانے کے اہل ہو جائیں۔

طلوعِ اسلام، جنوری فروری ۱۹۴۸ء، صفحہ ۹۹

مسلم لیگی حکومت پہلے سال میں ہی عوام کا اعتماد کھو بیٹھی تھی:

(٦) ہم ارباب حکومت پر اس حقیقت کو واضح کر دینا چاہتے ہیں کہ جہاں تک ہم نبض ملت کا احساس کر رہے ہیں، انھیں ملت کا اعتماد حاصل نہیں، عدم اعتماد اگر کسی صحیح ترقی یافتہ جمہوری ملک میں پایا جاتا تو حکومت کب کی شکست کھا چکی ہوتی .... یہ ناقابل تردید حقیقت ہے کہ اس وقت ملت، حکومت کو "اپنی" نہیں سمجھتی، وہ اسے بدستور اجنبی اور غیر سمجھ رہی ہے، حکومت نے یہ غلط فہمی رفع کرنے کی کوئی کوشش نہیں کی، ارباب حکومت، مشینوں کی طرح پہلے سے طے شدہ آئین وضوابط کے مطابق حکومت کر رہے ہیں اور بس۔ وہ خود اس احساس وشعور سے، تہی معلوم ہوتے ہیں کہ اب حکومت "اپنی" ہے، بعض اوقات تو ایسا معلوم ہوتا ہے کہ وہ اپنے آپ کو کسی "اور" کا غلام تصور کرتے ہیں، اے کاش! اس "اور" سے مراد، ملت ہوتی۔

طلوع اسلام، اپریل ۱۹۴۸ء، صفحہ ۹۵

قائداعظم کے دور میں ہی لیگی حکمرانوں میں خانہ جنگی شروع ہوگئی تھی:

قائداعظم کی زندگی ہی میں ارباب سیاست کی خانہ جنگی اس قدر گھناؤنی ہوگئی تھی کہ ان کی مساعی مفاہمت یکسر ناکام ہو گئیں، قائداعظم کے انتقال کے بعد جو دور شروع ہوا، اس کا دارومدار ہی ریشہ دوانی اور سازش پر تھا، اس پر پاکستان کے دل پر دورے پر دورے پڑنے شروع ہو گئے۔ طلوع اسلام، جون ۱۹۷۹ء، صفحہ ۲۹

وزارتوں اور عہدوں کے لیے لیگی ارکان کتوں کی طرح لڑتے تھے۔

طلوع اسلام، جون ۱۹۷۹، صفحہ ۳۰

قیامِ پاکستان کے بعد مخلص مسلم لیگی کارکنوں پہ خود مسلم لیگی حکومت کے ہاتھوں کیا بیتی؟

ان سے اچھوتوں سے بھی بدتر سلوک ہو رہا ہے۔ چند دراہمِ کاسدہ کے عوض ان کے "جوہر ادراک" خرید لیے جاتے ہیں لیکن انہیں "شریکِ حکم" کبھی نہیں کیا جاتا۔ اب انہیں اس قابل ہی نہیں سمجھا جاتا کہ ان کے کسی مشورہ پر غور بھی کیا جائے۔ یہ اس لیے کہ ان لوگوں نے خوشامد پرستی اور تملق پیشگی اختیار نہیں کی۔ ان کی غیرت نے ان کی بیویوں کو "چراغِ خانہ" کی بجائے "شمع بزم" نہیں بننے دیا۔ ان کے ضمیر نے انہیں سرِ شام کلب کی رنگینیوں میں ڈوب جانے کی اجازت نہیں دی۔ اور ان کے ایمان نے انہیں پارٹی بازی کی ابلیسانہ وسیسہ کاریوں کا حربہ بننے سے روکا ہوا ہے۔ آج یہ ذلیل و خوار ہیں۔ انہیں کوئی پوچھتا تک نہیں۔ حالانکہ کل تک ان کی بے حد قدر و منزلت تھی۔

طلوعِ اسلام، اگست ۱۹۴۸، صفحہ ۵

مسلمانوں کے قتلِ عام کے ذمہ دار: مسلم لیگی رہنما:

قوم اپنے لیڈروں سے پوچھتی ہے کہ جب آپ کو اتنے وثوق سے اس کا علم ہو چکا تھا، کہ اتنا عظیم خطرہ، مسلمانوں کے سر پر منڈلا رہا ہے، اور آپ کو اس کا بھی علم تھا کہ ماؤنٹ بیٹن مسلمانوں کی حفاظت کا کوئی انتظام نہیں کرے گا، بلکہ شاید وہ اس سازش میں خود شریک ہے، تو آپ نے اپنی قوم کو اس قتل و غارتگری سے بچانے کے لیے کیا انتظامات کیے؟ کیا ان حالات میں آپ کا فریضہ محض اس قدر تھا کہ آپ لارڈ ماؤنٹ بیٹن سے تحفظ امن کا مطالبہ کرتے اور اس کے ٹال دینے پر، عافیت کدوں میں آ کر اطمینان اور بے فکری سے داد استراحت دیتے؟ آپ لارڈ ماؤنٹ بیٹن کا دروازہ کھٹکھٹا سکتے تھے، تو کیا آپ سوئے قوم آ کر قوم کو آنے والے خطرات سے آگاہ نہیں کر سکتے تھے؟ اسے اس کے لیے تیار نہیں کر سکتے تھے؟ یا اسے حالات سے آگاہ کر کے یہ موقع نہیں دے سکتے تھے کہ وہ از خود اپنی حفاظت کے سامان کرے؟ جب تک قوم کو اس سوال کا اطمینان بخش جواب نہیں ملتا وہ اس نتیجہ تک پہنچنے میں بالکل حق بجانب ہے کہ مسلمانوں کے تمام قتل و غارت کا ذمہ دار، نہ مؤنٹ بیٹن ہے، نہ مرکزی حکومت، بلکہ اس بیگناہ دریائے خون کی ساری ذمہ داری، ان رہنمایانِ قوم کے سر ہے، جنھوں نے سیلاب بلا اللہ تے دیکھا لیکن قوم کو آگاہ کرنے کے روادار نہ ہوئے۔ طلوعِ اسلام، اگست ۱۹۴۸ء، صفحہ ۷۴

آپ نے تو ماؤنٹ بیٹن کا دامن حریفانہ کھینچا ہے اور اسے موردالزام قرار دیا ہے، اور قوم آپ کا دامن کھینچتی ہے اور لاکھوں مظلومین کے بیگناہ خون کی دہائی دیتی ہے اور یہ پوچھتی ہے "بای ذنب قتلتنی"۔ ذبح ہونے والی مائیں، بے آبرو ہونے والی بہنیں، نیزوں سے چھدنے اور پتھروں سے پاش پاش ہونے والے بچے، کرپانوں سے شہید ہونے والے نہالانِ امت، جو موت کی مہیب اور پرسکوت وادی میں جھونک دیے گئے ہیں، ان کی معصومیت، مظلومیت، کپکپی پیدا کرنے والی اور نہ تھمنے والی چیخ کی صورت میں ہمارا تعاقب کر رہی ہے، تاریخ کا مکبر الصوت، اس چیخ کو "صورِ قیامت" میں بدل دے گا، اور یہ "مردے" زندہ ہو کر پوچھیں گے۔

قصاص، خونِ تمنا کا مانگیے کس سے؟
گنہگار ہے کون، اور خوں بہا کیا ہے؟

قوم حق بجانب ہے کہ لیڈروں کے اعتراف کے پیشِ نظر، ان سے کہے کہ

بچتے نہیں مؤاخذۂ روزِ حشر سے
قاتل اگر رقیب ہے تو تم گواہ ہو

طلوعِ اسلام، اگست ۱۹۴۸ء، صفحہ ۷۷ تا ۷۸

قیامِ پاکستان کے بعد پاکستانی عوام کا اخلاقی زوال:

کبھی ہماری یہ حالت تھی کہ بلقان میں جنگ چھڑتی تھی اور ہمارے گھروں میں ماتم کی صفیں بچھ جایا کرتی تھیں، یونانی سمرنا پر حملہ کرتے تھے اور یہاں گھر گھر سے رونے کی آواز بلند ہو جایا کرتی تھی، تحریک خلافت کا زمانہ ابھی کل کی بات ہے، کون بھول سکتا ہے کہ ترکوں کی مصیبت پر، ہندوستانی مسلمانوں کی بیواؤں نے اپنے چھلے، کپڑے اور برتن تک چندہ مانگنے والوں کی جھولیوں میں ڈال دیے تھے، سارے ملک میں ایک قیامت برپا ہو گئی تھی، چندے کے لیے جلوس نکلتے تھے تو روتے روتے لوگوں کی ہچکیاں بندھ جاتی تھیں، لیکن آج ہمارے اپنے گھر میں ایک قیامت آ گئی ہے، اور ہمیں اس کا احساس تک نہیں ہو رہا، جیسا کہ اوپر لکھا جا چکا ہے ہم ان تباہیوں اور بربادیوں کی خبروں کو یوں پڑھ لیتے ہیں جیسے ٹمبکٹو میں کچھ ہوا ہو جس سے ہمارا کوئی تعلق ہی نہیں۔ طلوع اسلام، نومبر ۱۹۵۰ء، صفحہ ۷

ہندوستان میں (انگریز کے عہدِ غلامی میں) ہمارے قلوب میں اس اخوت اسلامی کی حرارت موجود تھی، جس کا نتیجہ یہ تھا کہ دنیا کے کسی خطہ میں مسلمانوں پر کوئی مصیبت آئے ہم اپنی جگہ تڑپ اٹھتے تھے۔ طلوع اسلام، جنوری ۱۹۶۷ء، صفحہ ۷

جس قدر روشن خیالی اور بلند آہنگی ہم میں تقسیم سے پہلے آ چکی تھی، آج ہم اس سے پست مقام پر پہنچ چکے ہیں، اگر یہی حالت چندے اور رہی تو ہم اس دور تہذیب و تمدن میں بھی زمانہ متوسط (Medival Age) میں جا پہنچیں گے۔

طلوع اسلام، فروری ۱۹۶۸ء، صفحہ ۳۴

قیامِ پاکستان کے بعد پاکستانی عوام کا اخلاقی زوال:

ہم گذشتہ ایک سال سے آزاد ہیں، پچھلے سال بھی ۱۵ اگست کو ہم نے آزادی کا جشن منایا تھا، آج ایک سال بعد پھر ویسا ہی جشنِ آزادی منا رہے ہیں، آزادی کا یہ تیوہار اب ہر سال منایا جایا کرے گا لیکن ہم دیکھتے ہیں کہ سوائے اس ظاہری شور و غوغا اور سطحی دھوم دھام کے ہماری حیاتِ اجتماعیہ میں کوئی تبدیلی پیدا نہیں ہوئی، ہم وہی کچھ ہیں جو ۱۵ اگست ۱۹۴۷ء سے پہلے تھے، ہم وہیں ہیں جہاں اس تاریخ آزادی کے وقت تھے، بلکہ ایک لحاظ سے اس سے بھی کچھ پیچھے۔

طلوعِ اسلام، اگست ۱۹۴۸ء، صفحہ ۶۳

اشاعت حاضرہ میں، ہم ۱۹۴۹ء اور ۱۹۵۰ء کے جشنوں کی تقاریب پر پیش کردہ محاسبہ کو دہراتے ہیں اگر صورت یہ ہے کہ اس بیس سال کے عرصہ میں ہم پہلے سے بھی زیادہ گہری پستیوں میں گر چکے ہیں تو اس سے ہم اپنے مستقبل کا اندازہ لگا سکتے ہیں۔

اس کے دل سے پوچھئے، اس کے جگر سے پوچھئے
آج جس کی منزل مقصود، کل سے دور ہو!

طلوعِ اسلام، اگست ۱۹۷۰ء، صفحہ ۱۹

یقین مانئے، ہم اپنے دورِ غلامی میں اس قدر پست سطح پر نہیں تھے جس پر ہم اب پہنچ چکے اور مزید پستی کی طرف جا رہے ہیں، اس وقت ہم میں کم از کم انسان تو پیدا ہوتے تھے۔

طلوعِ اسلام، جون ۱۹۷۴ء، صفحہ ۴۸

اسکین پیجز ماہنامہ طلوع اسلام

طلوعِ اسلام ۱۸ مارچ ۱۹۴۸ء

الگ نہ ہوں۔ ہمیں خوشی ہوئی کہ لیگ کونسل نے اپنے اس فیصلہ سے کہ آئندہ، عمالِ حکومت میں سے کوئی شخص، لیگ کا عہدیدار نہ ہو سکے گا، ایک طرف تشتت و افتراق کے اس خطرہ کو بھی مٹا دیا اور دوسری طرف نظامِ حکومت کی اصلاح و استحکام کی طرف بھی نہایت مبارک قدم اٹھایا۔ لیگ چونکہ ملت کی ترجمان ہے۔ لہٰذا اب حکومت ملت کے تابع ہوگی نہ کہ ملت حکومت کے تابع۔ اور یہ تبدیلی ایک نہایت خوش آئند انقلاب کا پیش خیمہ بن سکتی ہے۔ اس میں شبہ نہیں کہ اس فیصلہ سے مسلم لیگ کی مسندِ صدارت، قائدِ اعظم جیسی بلند مرتبت ہستی سے محروم ہوگئی لیکن یہ حرماں، محض اصطلاحی ہوگا معنوی نہیں ہوگا۔ لیگ، قوم، قائدِ اعظم کے مشوروں سے بدستور مستفیض ہوتی رہے گی۔

باقی رہی جناب قائدِ اعظم کی ذاتِ گرامی۔ سو ان کی عظمت اس قدر بلند، اور ان کا احترام قلبِ ملت میں اس درجہ گہرا جا چکا ہے کہ وہ مناصب و مدارج سے مشروط نہیں رہا۔ وہ اب اس حقیقت کی مشہود مثال ہیں کہ ـــــ صدر ہر جا کہ نشیند صدر است۔

اب مسلم لیگ کے لئے ایک نئے دور کا آغاز ہے۔ ہماری دس سالہ جدوجہد میں، لیگ کی حیثیت ہندوؤں کے مقابلہ میں ایک فریقِ متخاصم سے زیادہ کچھ نہیں تھی۔ صورت یہ تھی کہ ایک نہایت قابل اور دیانتدار وکیل تھا جو دنیا کی عدالت میں، ملتِ اسلامیہ کا مقدمہ لڑ رہا تھا۔ اُسے ضرورت فقط اتنی تھی کہ جب قوم سے، کسی عدالت کی طرف سے پوچھا جائے کہ یہ تمہارا وکیل ہے اور تم نے اسے مختار نامہ دے رکھا ہے تو وہ کہدے کہ بیشک! لہٰذا، اربابِ لیگ کے ذمے، اس سر ہلا دینے کے علاوہ، اور کوئی کام نہ تھا۔ بنا بریں لیگ کے مناصب و مدارج کے لئے، معیارِ انتخاب اتنا ہی تھا کہ وہ شخص اتنی مالی حیثیت رکھتا ہے کہ "عدالتوں" میں حاضری کے لئے، خرچہ نہ طلب کرے۔ اس خرچ کے معاوضہ میں جو امتیازی شان مل جاتی تھی وہ یقیناً مہنگی نہ تھی۔ لہٰذا، لیگ کی سیادت و قیادت، ان اربابِ دولت و حشمت کے لئے بالعموم "ذہنی عیاشی" سے زیادہ کچھ نہ تھی۔ نہ انھیں عوام سے کوئی ربط تھا نہ ان کے احوال و کوائف کی کچھ خبر۔ نہ ان کے دل میں قوم کا کوئی درد تھا نہ اس درد کے مداوا کی کوئی فکر۔ اقلیت کے

صوبوں میں، پھر بھی ان لوگوں کو، ہندوؤں کی بالادستی کے خلاف، کچھ نہ کچھ کرنا پڑتا تھا۔ لیکن اکثریت کے صوبوں میں تو عام طور پر "نوابی ٹھاٹھ" تھا۔ نتیجہ اس کا یہ تھا کہ یہ اکابرین، برف کی سلوں کی طرح، ملت کے قوائے عملیہ کو مفلوج کئے ہوئے تھے۔ الحمد للہ کہ پاکستان کے آفتابِ جہانتاب کی حرارت نے ان سلوں کو پگھلا دیا ہے۔ چنانچہ اب، عہدِ کہن کی مسلم لیگ کی زنجیریں ٹوٹ چکی ہیں۔ اب ہر جگہ، ابتدائی لیگ سے لیکر ہائی کمانڈ تک، نئے انتخابات ہوں گے۔ اب قوم کے لئے وقت ہے کہ وہ اٹھے اور نہایت مناسب اور موزوں شخصیتوں کو منتخب کر کے لیگ کی زمامِ اختیار ان کے ہاتھ میں دے۔ اگر قوم نے اپنی اس ذمہ داری کا احساس کر لیا اور انتخابِ جدید، صحیح خطوط پر عمل میں لایا گیا تو لیگ ایک زندہ اور زندگی بخش جماعت بن جائے گی۔ لیکن اگر قوم نے اس باب میں بے اعتنائی اور بے رخی، یا تساہل و تغافل شعاری اختیار کی، تو اس کے بعد، پھر وہی اکاس بیل، ان کے شجرِ ملی پر چھا جائے گی، جس کی خاصیت یہ ہے کہ وہ درخت کی تمام رطوبتوں کو چوس کر خود سرسبز و شاداب رہتی ہے اور درخت بے چارہ جڑوں تک کھوکھلا ہو جاتا ہے۔ ضرورت ہے کہ جدید انتخاب میں، معیارِ فضیلت جوہرِ ذاتی، قوتِ عمل، اور اتباعِ آئینِ خداوندی ہو، نہ کہ قارونیت کی سرمایہ داریاں اور ہامانیت کی دسیسہ کاریاں۔

ہمیں لیگ کے اس فیصلہ سے البتہ اصولی اختلاف ہے کہ لیگ کی تنظیمِ جدید، ایک شخص کے ذمہ ڈال دی جائے۔ چاہئے تھا کہ اس مقصد کے لئے ایک مجلسِ تنظیمی مرتب کی جاتی تاکہ ان سب کی متحدہ مساعی سے یہ کام جلد از جلد سرانجام پا جاتا۔ کام بہت زیادہ ہے۔ نتیجہ اس کا یہ ہوگا کہ اگر اس میں عجلت برتی گئی تو وہ ادھورا رہ جائے گا اور اگر اس کی تکمیل کی فکر کی گئی تو اس میں بہت زیادہ وقت لگ جائے گا۔ اور دونوں صورتیں بے حد ضرر رساں ہیں۔ بہرحال، اب لیگ کے فعال طبقہ کو چاہئے کہ از خود آگے بڑھے اور اس تنظیمِ نو کو جلد از جلد پایۂ تکمیل تک پہنچا دے۔ تاکہ ایسا نہ ہو کہ لیگ کی تشکیلِ جدید بھی مجلسِ آئین سازی کی طرح، اصحابِ کہف کا غار بن کر رہ جائے جن کے متعلق فرمایا ہے کہ تحسبھم ایقاظاً وھم رقود۔ (تم سمجھتے ہو کہ وہ جاگ رہے ہیں حالانکہ وہ سو رہے ہیں)۔

حکام سے!

فرنگی نظامِ حکومت میں اس امر کا خاص طور پر اہتمام و التزام کیا جاتا تھا کہ حکام اور عوام میں خاصا بعد و فصل قائم رکھا جائے تاکہ حکومت کے اقبال کا رعب اور خوف ان کے دلوں میں جاگزیں رہے۔

خودداری اور عزتِ نفس ان کے ہاں سنگین جرائم کا حکم رکھتی تھی۔ اس لئے کہ اس قسم کے مردانِ خود آگاہ کی حق گوئی و بیباکی سے مصالحِ حکومت کو گزند پہنچنے کا اندیشہ ہوتا تھا۔

خوشامد اور ستائش کی خاص طور پر حوصلہ افزائی ہوتی تھی کیونکہ اس قسم کے اہلکار اپنے بالادست انگریز حکام کے دست نگر رہتے تھے اور ان کے اشاروں پر کٹھ پتلی کی طرح ناچتے تھے۔

فریب اور دغابازی، جھوٹ اور مکاری، رشوت ستانی اور حرام خوری، تملق اور خوشامد کو فروغ دیا جاتا تھا کہ اس سے طبقۂ حکام میں نخوت و غرور پیدا ہوتا تھا اور عوام میں باہمی حسد و رقابت کے جذبات کی پرورش، جس سے غلامی کی زنجیریں پختہ سے پختہ تر ہو جاتی تھیں۔

انگریز چلا گیا۔ لیکن

اس کے نظامِ حکومت نے ہمارے قلب و دماغ کو جن سانچوں میں ڈھال دیا تھا، ہم نے انہیں بدستور قائم رکھا ہے۔ بلکہ وہ برائیاں جو پہلے کبھی کسی حد تک، انگریز کے خوف یا شرم سے، دبی دبی سی رہتی تھیں، ابھر ابھر کر اوپر آ گئی ہیں۔ خارجی دنیا میں پوری کی پوری بساطِ سیاست و حکومت بدل گئی۔ لیکن ہمارے قلب و نگاہ کی دنیا میں قطعاً کوئی تبدیلی نہیں ہوئی۔

دل نے دنیا نئی بنا ڈالی ہم کو لیکن ذرا خبر نہ ہوئی

وہی اپنوں سے بیگانگی و مغائرت، وہی مصنوعی رعب و داب، وہی خوشامد پرستانہ مسلک، وہی فریب کارانہ مشرب، وہی حیلہ جوئی اور کام چوری، وہی نالائقی اور نااہلی، وہی خیانت و بددیانتی، وہی اقربا پروری و جنبہ داری، وہی ظلم و استبداد، وہی جور و ستم۔ کوئی دادخواہ نہیں جو تمہارے ہاتھوں نالاں نہ ہو، کوئی ستم رسیدہ نہیں جو تمہاری نارسائی کا شکوہ سنج نہیں۔ ذرا سوچو:

کیا زمانے میں پنپنے کی یہی باتیں ہیں؟

یاد رکھو! اگر تم نے خود اپنے آپ کو نہ بدلا تو خدا کا نہ بدلنے والا قانون تمہیں بدل دے گا اور اس کا بدلنا ایسا ہوتا ہے کہ اس میں تختہ الٹ جایا کرتا ہے۔

فلما جاء امرنا جعلنا عالیها سافلها (۱۱/۸۲)

پس جب قانونِ مکافاتِ عمل کے مطابق، ہمارا حکم آ پہنچا تو ہم نے بالادستوں کو زیردست بنا کر رکھ دیا۔

الغرض زندگی کی تمام راہیں ان پر مسدود ہیں، ان کے لئے صرف ایک راستہ کھلا تھا اور وہ گداگری تھا۔ لیکن ان جفاکش اور غیور مسلمانوں نے اس ذلت کو گوارا نہیں کیا اور انھوں نے حلال وطیب کمائی کو ترجیح دی۔ کراچی میں دوکانوں کی تقسیم وتخصیص میں جو اندھیر نگری مچی ہوئی ہے وہ سب کو معلوم ہے۔ ان بے چاروں کے پاس پیسے کہاں کہ رشوت دیکر دکانیں اپنے نام مخصوص کراسکیں یا غیر معمولی قیمتیں دیکر چور بازار سے سامان مزید کر اس سے کہیں زیادہ اموں پر بیچ سکیں چنانچہ یہ بچارے، پٹڑلیوں اور خالی غیر آباد جگہوں پر آسمان کے نیچے بیٹھ گئے اور کسب معاش کی صورتیں پیدا کرنی شروع کیں یوں ان راندہ گانِ قوم سے جو بن پڑا کیا اور اپنے اور بقیۃ السیف بیوی بچوں کا پیٹ پالنا شروع کیا۔ حکومت نے ان غریب الدیاروں اور بے یاروں کو کوئی مراعات نہیں دیں، نہ انھیں دوکانوں کے لئے کوئی جگہ دی، نہ رہنے کے لئے مکان اور نہ کاروبار شروع کرنے کے لئے ضروری سرمایہ بہم پہنچایا۔ لیکن جب ان لوگوں نے شبانہ روز محنت وجانفشانی سے راہگذر پر بیٹھ بیٹھ کر کسب معاش کی حقیر صورتیں پیدا کیں، تو حکومت کا قانون فوراً حرکت میں آیا اور ان پر یہ ذریعہ معاش بند کردیا۔ چنانچہ ان بدنصیبوں کو پٹڑیوں پر سے اٹھا دیا گیا ہے۔ غالب کے زمانہ میں اتنا تو اطمینان تھا کہ رہگذر پر بیٹھنے والوں کو کوئی نہیں اٹھا سکتا تھا لیکن بیسویں صدی میں یہ اطمینان مفقود ہے۔ اب ہماری ہمہ گیر حکومت کی دسترس سے کچھ بھی محفوظ نہیں۔ موت کے منہ سے جان جوکھوں میں ڈال کر جان بچا کر پاکستان میں پناہ ڈھونڈنے والے نیم مردہ، پاکستان میں بھی موت ہی کے منہ میں دھکیلے جارہے ہیں ؟ کیا اس سے یہ بہتر نہ تھا کہ وہ دشمنوں کی سفاکیوں کی نذر ہو جاتے ؟ کم از کم وہ اس تلخی اور مایوسی کا شکار تو نہ ہوتے کہ جس پاکستان کے قیام کی خاطر انھوں نے اپنا سب کچھ قربان کردیا تھا وہی ان کی رسوا کن موت کا باعث ہوا، وہ جسے جنت سمجھ رہے تھے وہ جہنم ثابت ہوا، وہ پھول چننے کے لئے بڑھے تو ان کی انگلیوں میں کانٹے پیوست ہوئے، وہ اپنے بنائے ہوئے پاکستان کے قلب میں اترے اور انھیں ٹھکرا دیا گیا، وہ روٹی مانگتے

اور مختلف اسباب وعلل کا صحیح صحیح تجزیہ کیا جائے، جو جو غلطیاں ہم سے ہوئی ہیں ان کا کشادہ ظرفی سے اعتراف کیا جائے اور اس طرح انہیں آئندہ اصلاح کا ذریعہ بنایا جائے۔

(۲) اس خطۂ ارض کے تحفظ و استحکام کا پورا پورا سامان کیا جائے۔ جسے انہوں نے اپنی ذرہ نوازیوں کے صدقے ہماری وراثت میں دیدیا ہے اور جس سے ہمیں ایسی امکانی قدرت حاصل ہوئی ہے کہ ہم چاہیں تو یہاں قرآنی تصورات کے مطابق اپنی دنیا کی تشکیل کرلیں۔

(۳) منافقین (قوم پرست مسلمانوں) کے اس طائفہ کو جو کسی نہ کسی طرح تپِ دق کے جراثیم کی طرح ہماری ہڈیوں کے گودے کے اندر تک پہنچ چکا ہے اور اب ناصحینِ مشفق کے لباس میں دشمن کی سازشوں کو کامیاب بنانے میں مصروف ہے۔ جلد از جلد بے نقاب کر کے اپنوں سے الگ کیا جائے۔

(۴) جو نالایق اور بددیانت گروہ حالات سے ناجائز فائدہ اٹھا کر مسانید اقتدار پر متمکن ہو چکا ہے اسے اس کی صحیح قدر و قیمت کا آئینہ دکھا کر اس کے اصلی مقام تک لوٹا دینے کا انتظام کیا جائے اور اس کے ساتھ ہی نوجوان طبقہ کی تطہیرِ فکر اور تربیتِ قلب اس انداز سے کی جائے کہ وہ حکومت کے بارِ عظیم کو اٹھانے کے اہل ہو جائیں۔

(۵) گذشتہ حوادث و نوازل نے قوم کی اقتصادی حالت کو جس درجہ پست کر دیا ہے اس کا صحیح اندازہ کر کے اس کمی کو پورا کرنے کے اسباب و ذرائع پر غور کیا جائے۔

(۶) اس انقلاب کو جو اس وقت ضمیرِ عوام میں پہلو بدل رہا ہے، صحیح خطوط پر متشکل کر کے ایسی صورت پیدا کی جائے کہ یہ انقلابی روح، صحیح قیادت اور متعین منزل کے فقدان سے تعمیری نتائج مترتب کرنے کی بجائے مزید تخریب و اختلال کا موجب نہ بن جائے۔ اس لئے عوام کے قلب و نگاہ کی تربیت منزلِ مقصود کی واضح اور غیر مبہم تعیین، اور اس تک پہنچانے والے صراطِ مستقیم کی روشن نشاندہی کی جائے۔

(۷) اربابِ اقتدار کو بتایا جائے کہ وہ اپنا نصب العین جذبۂ حکومت کی تسکین کی بجائے فرائضِ خدمت کی ادائیگی قرار دیں، اور عوام کو سمجھایا جائے کہ وہ اپنے حقوق کے مطالبہ کے ساتھ ساتھ اس

ہم اربابِ حکومت پر اس حقیقت کو واضح کر دینا چاہتے ہیں کہ جہاں تک ہم نبضِ ملت کا احساس کر رہے ہیں، انھیں ملت کا اعتماد حاصل نہیں۔ یہ عدم اعتمادی اگر کسی صحیح ترقی یافتہ جمہوری ملک میں پائی جاتی تو حکومت کب کی شکست کھا چکی ہوتی۔ ہم تسلیم کرتے ہیں کہ بعض معاملاتِ حکومت کو راز میں رکھا جانا چاہیئے۔ یہ درست ہے کہ ہر معاملہ میں عوام کو رازدار نہیں بنایا جا سکتا۔ لیکن جن معاملات میں رازداری سے کام لیا جاتا ہو وہاں تقاضائے وقت یہی ہوتا ہے اور ملت پر عدم اعتماد کا سوال پیدا نہیں ہوتا لیکن یہ ناقابلِ تردید حقیقت ہے کہ اس وقت ملت حکومت کو 'اپنی' نہیں سمجھتی، وہ اسے بدستور اجنبی اور غیر سمجھ رہی ہے۔ حکومت نے یہ غلط فہمی رفع کرنے کی کوئی کوشش نہیں کی۔ اربابِ حکومت مشینوں کی طرح پہلے سے طے شدہ آئین وضوابط کے مطابق حکومت کر رہے ہیں اور بس۔ وہ خود اس احساس و شعور سے تہی معلوم ہوتے ہیں کہ اب حکومت 'اپنی' ہے۔ بعض اوقات تو ایسا معلوم ہوتا ہے کہ وہ ابھی تک اپنے آپ کو کسی 'اور' کا ملازم متصور کرتے ہیں۔ کاش اس 'اور' سے مراد ملت ہوتی!

مطلق العنان آمرانہ حکومت اور جمہوریت کے نظامِ جہانبانی میں فرق ہی یہ ہوتا ہے کہ اول الذکر میں حاکم اور محکوم میں سخت مغائرت ہوتی ہے جو ان دونوں کے درمیان آہنی دیوار بن کر حائل ہوتی ہے اور محکوم "بلا شریکِ حکم" احکام کی اطاعت کرتے ہیں۔ لیکن ثانی الذکر میں حاکم اور محکوم کا فرق نہیں ہوتا اور محکوم اپنے آپ کو محکوم نہیں بلکہ "شریکِ حکم" سمجھتا ہے اور ایسی صورت میں ممکن ہے جبکہ قوم کو مصالحِ حکومت کا رازدار بنا کر اس کا اعتماد حاصل کر لیا جائے۔ لہٰذا اگر آپ کے دعوائے جمہوریت مبنی برحقیقت ہیں تو اس امر کی کوشش کیجئے کہ قوم اپنے آپ کو شریکِ حکومت کہے۔ اس میں پاکستان کے استحکام و ارتقا کا راز پوشیدہ ہے۔

حکومت اور قوم کے مابین ایک اہم رابطہ مجلسِ مقننہ کا ہے لیکن پاکستان کی مجلس دستور ساز جو اب مرکزی مقننہ کی حیثیت بھی اختیار کر گئی ہے، قیامِ پاکستان سے پیشتر منتخب ہوئی تھی۔ اس کے علیٰ حالہٖ قائم رہنے سے عوام یوں محسوس کرتے ہیں کہ یہ از غیب ان پر مسلط ہو گئی ہے اور ان کی منتخب کردہ نہیں۔ یوں بھی حالات نے انتخابی تبدیلی کو ناگزیر کر دیا ہے (مجلسِ مذکورہ نے حالیہ نشست میں اس کے لئے

والے ارباب نظم و نسق ہیں کہ لاکھوں روپیہ نمائش گاہوں کی تعمیر ... پر صرف کرنے کی سوچ رہے ہیں اور سوچ اس لئے رہے ہیں کہ "امریکہ میں ایسی نمائش گاہیں بنی ہوئی ہیں"۔ انہیں کون بتائے کہ امریکہ کی دولت کی فراوانی کا یہ عالم ہے کہ اسے (دنیا بھر کے گداگروں کی جھولیاں بھرنے کے بعد) لاکھوں من اشیائے خوردنی سمندر میں ڈبونی پڑتی ہیں۔

(شمارہ - ۷ مئی ۱۹۵۵ء - ص۶)

پاکستان کا دل

قائداعظمؒ نے بارہا پنجاب کو "پاکستان کا دل" قرار دیا تھا لیکن اسی پنجاب میں محلاتی سازشوں کے جو ڈرامے کھیلے گئے اور کھیلے جا رہے تھے اس کی زہر انگیزیوں سے پورے پاکستان کی فضا مسموم ہوتی جا رہی تھی۔ طلوع اسلام ایک عرصہ تک اس ڈرامہ کو مہر بلب دیکھتا رہا۔ اور پھر ایک دن اس کے ضبط کا بند ٹوٹ گیا۔ ۲۸ مئی ۱۹۵۵ء کی اشاعت میں اس نے اپنے جگر سوز افتتاحیے میں دل کے زخم صفحۂ قرطاس پر بکھیر دیئے اور لکھا:-

قائداعظمؒ کی زندگی میں ہی ارباب سیاست کی خانہ جنگی اس قدر گھناؤنی ہو گئی تھی کہ ان کی مساعیٔ مفاہمت یکسر ناکام ہو گئیں۔ قائداعظمؒ کے انتقال کے بعد جو دور شروع ہوا اس کا دار و مدار ہی ریشہ دوانی اور سازش پر تھا۔ اس پر پاکستان کے دل پر دورے پر دورے پڑنے شروع ہو گئے۔ اگر آج تک یہ دل حرکت کرتا رہا ہے تو اس کی یہ غیر معمولی سخت جانی کی نشانی ہے۔ مرض کی شدت کی کمی کا ثبوت نہیں ...... برطرف شدہ مجلس دستور ساز نے ایسی بساط بچھائی کہ وزارتوں کے بندے۔ عہدوں کے بھوکے اور ملک کے دشمن اپنے اپنے سروں پر سازشوں کے جالوں کے پشتارے لادے کراچی میں آموجود ہوئے۔ سیاست کی اسٹیج پر سات سال سے جو ڈراؤنا ڈراما کھیلا جا رہا تھا یہ اس کی داستان جگر گداز کا انتہائی نقطہ (CLIMAX) تھا۔ مملکت پاکستان سازشوں کے گراں بار بوجھ کے نیچے دب کر دم توڑ رہی تھی اور روح پاکستان زبان حال سے پکار رہی تھی ؎

کوئی دم کا مہماں ہوں اے اہل محفل　　چراغ سحر ہوں، بجھا چاہتا ہوں

افتتاحیہ - ۲۸ مئی ۱۹۵۵ء

مجلس دستور ساز کے خاتمے کے بعد امید کی ایک نئی کرن ابھری۔ وحدت مغربی پاکستان کا منصوبہ ایک صبح بہار کا عنوان بن کر سامنے آیا۔ لیکن جلد ہی یہ تابناک فضا تاریکیوں کی زد میں آگئی۔ طلوع اسلام کے الفاظ میں سنیئے:-

ملک میں تذبذب کا دور ختم ہوتا جا رہا تھا اور یقین و اتحاد کی فضا پیدا ہو رہی تھی کہ پھر سے مرحب و عنتر اٹھے۔ اس وقت پتہ چلا کہ میدان میں کوئی اسد اللہ نہیں۔ جسے دیکھئے جادوئے سامری کا ہلاک اور سنیوٹہ آذری کا قتیل۔

اس سے سپیدۂ سحر، صبح کاذب میں تبدیل ہوگیا۔ اور پھر سے گھٹا ٹوپ اندھیرا چھانے لگا۔ سندھ سے آواز اٹھی کہ آئین ساز کنونشن کے لئے صرف سندھی منتخب ہوں گے۔ سرحد نے کہا کہ ہم بھی کسی "باہر" کے غیر سرحدی کا نام نہیں لیں گے۔ یہ وہی اسمبلیاں تھیں جو چند دن پہلے یہ بلند بانگ قرارداد پاس کر چکی تھیں کہ پاکستان جس مکروہ صوبائیت کا شکار ہے اس کا علاج یہ ہے کہ صوبوں کو یک قلم ختم کر دیا جائے۔ لیکن اس کا کیا علاج کہ صوبوں کی حدیں سطح ارض پہ نہیں بلکہ دل کی گہرائیوں میں تھیں۔ مٹی کی لکیریں مٹا دینے سے دلوں کی لکیریں نہیں مٹ سکتیں۔ اس کے لئے ضرورت تو یہ ہے کہ ان دلوں میں چھری چبھو دی جائے اور اگر پاکستان کو بحیثیت پاکستانی باقی رہنا ہے تو ان دلوں میں ہی چھری نہیں چبھونی ہوگی بلکہ جن سینوں میں یہ دل ہیں ان سینوں کو خنجر سے شق کر دینا ہوگا.......

ہمارے نزدیک پاکستان کی بقا تمام امور پر مقدم ہے، بشرطیکہ ان امور میں کوئی چیز قرآن کے خلاف نہ ہو...... ہماری ملی زندگی کا دارومدار پاکستان کی زندگی پر ہے۔ پاکستان باقی رہا تو ہم بھی باقی رہیں گے اور پاکستان ڈوبا تو ہم بھی غرق ہو جائیں گے۔ اور وزارتوں وعہدوں کی وہ ساری کرسیاں بھی گرداب ہلاکت کی نذر ہو جائیں گی۔ جن کی خاطر اس وقت کتوں کی طرح لڑائی لڑی جا رہی ہے...... مرکز پر اعتماد کا اظہار کر کے اور وحدت کا نام لے کر ملک اور قوم کو دھوکا دینے والے ننگے ناچ رہے ہیں۔ (ایضاً۔ صک)

اور اس کے بعد خون کے آنسو برساتے ہوئے طلوع اسلام نے صورت حال پہ یوں نوحہ خوانی کی:۔

یہ بھی دیکھئے کہ یہ حامیانِ افتراق و دشمنانِ وحدت سب کے سب مسلم لیگ کے ارکان ہیں۔ اگر ان میں ملکی شعور اور ملی سلیقہ نہیں تو ساتھ ہی ان میں پارٹی ڈسپلن کا شائبہ تک نہیں۔ ہم حیران ہیں کہ ان سے اپیل کریں تو کس نام پر اور واسطہ دیں تو کس کا؟ یہ خود سات سال سے گلا پھاڑ پھاڑ کر چلاتے چلے آرہے ہیں کہ مسلم لیگ قائداعظمؒ کا مقدس ترکہ ہے۔ لیکن انہیں کیسے بتایا جائے کہ اگر قائداعظمؒ کی مسلم لیگ پاکستان کو عدم سے وجود میں لائی تھی تو ان کی مسلم لیگ پاکستان کو وجود سے عدم کی طرف لے جا رہی ہے۔ آج اگر قائداعظمؒ بھی ان اخلاف کو دیکھ لیں تو وہ یقیناً ان سے برأت اور بیزاری کا اعلان کر دیں۔ لیکن قائداعظمؒ آنے سے رہے اور یہ اعلانِ بے تعلقی ہونے سے رہا۔ اس کا پتہ اس وقت چلے گا جب فطرت کے قانونِ مکافات کے مطابق ظہورِ نتائج کا وقت آئے گا۔ اور وہ ان کی ایک ایک سیہ کاری ان کے سامنے آجائے گی۔ اس وقت آپس میں بیکار باتوں پر لڑنے کو مقصودِ زندگی سمجھنے والے "قسطنطنیہ کے یہ پادری" رو ئیں گے اور کہیں گے۔ــــــ یالیتنی مت قبل هذا وكنت نسياً منسياً۔

(ایضاً)

طلوعِ اسلام ۵ اگست ۱۹۴۸ء

اور ایسا بھی سنا گیا ہے کہ اگر کبھی کسی کی دیدہ ریزی اور جگر کاوی کے ماحصل کو شرف پذیرائی نصیب بھی ہوا ہے تو دنیا نے اس کا نام کہیں نہیں سنا۔ وہ کسی اور کے نام سے منسوب ہو کر منصہ شہود پر آیا ہے۔ کیا خیر مقدم اور تعاون اسی کو کہتے ہیں! خونِ فرہاد سے عشرت کدۂ پرویز کی گلکاریاں، تعاون نہیں استحصال کہلاتی ہیں۔

اور اگر ہمارے محترم خواجہ صاحب اپنی نگاہ کو پاکستان کے اطراف و اکناف تک رخصتِ تلاش و تجسس نہ بھی دینا چاہیں تو کم از کم اپنے کمرے کی کھڑکی سے اپنے گرد و پیش کے دفاتر پر ہی ایک نظر ڈالیں۔ ان دفاتر کے بوسیدہ کاغذات کے نیچے دبے ہوئے ایسے ایسے جوہر قابل موجود ہیں کہ بلا مبالغہ ان میں سے اکثر ایسے ہیں جو ہمارے بعض بعض وزراء سے کہیں بہتر قلمدانِ وزارت کو سنبھالنے کی اہلیت رکھتے ہیں۔ لیکن انگریز اور ہندو کی غلامی میں بھی انھیں اس بری طرح سے نہیں کچلا جاتا تھا جس طرح انھیں اپنی حکومت میں کچلا جا رہا ہے۔ ان میں اکثر وہ ہیں کہ مسلم لیگ کے دورِ جنگِ آزادی میں، جبکہ ہمارے اعاظمِ ملت کو حکومت کے "حریم قدس" میں جھانکنے تک کی بھی اجازت نہ تھی، یہ "دیوانے" اپنی جانوں پر کھیل کر حقِ رفاقت ادا کرتے تھے۔ اس وقت ان کے مشوروں کی ضرورت سمجھی جاتی تھی۔ ان کا تعاون موجب احسانمندی گردانا جاتا تھا۔ ان کی قدر ہوتی تھی۔ آج ان کے وہی دل و دماغ اور وہی عزائم و مقاصد ہیں۔ لیکن انھیں کوئی پوچھتا تک نہیں۔ انگریز اور ہندو آقا، ان "غلاموں" سے وہ بُعد و مغائرت نہیں رکھتے تھے جو آج رکھی جا رہی ہے۔ جو کل تک ان کے پیچھے پیچھے پھرا کرتے تھے آج ان کا سلام تک قبول نہیں کرتے!

یہ وہی سوختہ ساماں ہیں! تجھے یاد نہیں؟

اگر ان میں سے کہیں خودداری اور عزتِ نفس کی "بو" آجاتی ہے تو اس جرم کی پاداش میں انھیں ذلیل سے ذلیل تر کیا جاتا ہے۔ ان سے اچھوتوں سے بھی بدتر سلوک ہو رہا ہے۔ چند دراہم کا سہ کے عوض ان کے "جوہر ادراک" خرید لئے جاتے ہیں لیکن انھیں "شریکِ حکم" کبھی نہیں کیا جاتا۔ اب انھیں اس قابل ہی نہیں سمجھا جاتا کہ ان کے کسی مشورہ پر غور بھی کیا جائے۔ یہ اس لئے کہ ان لوگوں نے خوشامد پرستی اور تملق پیشگی اختیار نہیں کی۔ ان کی غیرت نے ان کی بیویوں کو "چراغِ خانہ" کے بجائے "شمعِ بزم" نہیں بننے دیا۔ ان کے ضمیر نے انھیں سرِ شام کلب کی رنگینیوں میں ڈوب جانے کی اجازت نہیں دی۔ اور ان کے ایمان نے انھیں پارٹی بازی کی ابلیسانہ وسیسہ کاریوں کا حربہ بننے سے روکے رکھا ہے۔ آج یہ ذلیل و خوار ہیں۔ انھیں کوئی پوچھتا تک نہیں۔ حالانکہ کل تک ان کی بے حد قدر و منزلت تھی۔

یہ میراب جو گدا ہے شراب خانے کا — شریفِ مکہ رہا ہے کئی برس اے شیخ

یہی آپ کا اربابِ فہم و تدبر (Intellectuals) کا طبقہ ہے جسے آپ دعوتِ تعاون دے رہے ہیں۔ مسلمانوں میں تعلیم کی کمی کی وجہ سے، ان کے تعلیم یافتہ طبقہ کا بیشتر حصہ ملازمتوں میں جذب ہو جاتا ہے۔ بہت تھوڑا ہے جو اس حلقہ سے باہر رہ جاتا ہے۔ لہٰذا اگر آپ ملازمت پیشہ حضرات کو اس وجہ سے درخورِ اعتنا نہیں سمجھتے کہ وہ آپ کے ماتحت ہیں، اور ان سے باہر کے طبقۂ اہلِ فہم کو اس لئے قابلِ توجہ نہیں سمجھتے کہ ان کے پاس دولت

مونٹ بیٹن اس سے بھی زیادہ مورد الزام، برطانوی حکومت اس سے زیادہ شریک جرائم، لیکن قوم اپنے لیڈروں سے پوچھتی ہے کہ جب آپ کو اتنے وثوق سے اس کا علم ہو چکا تھا کہ اتنا عظیم الشان خطرہ مسلمانوں کے سر پر منڈلا رہا ہے اور آپ کو اس کا بھی علم تھا کہ مونٹ بیٹن مسلمانوں کی حفاظت کا کوئی انتظام نہیں کرے گا بلکہ شاید وہ اس سازش میں خود شریک ہے۔ تو آپ نے اپنی قوم کو اس قتل و غارت گری سے بچانے کے لئے کیا اقدامات کئے؟ کیا ان حالات میں آپ کا فریضہ محض اس قدر تھا کہ آپ لارڈ مونٹ بیٹن سے تحفظ امن کا مطالبہ کرتے اور اس کے ٹال دینے پر عافیت کدوں میں آ کر اطمینان اور بے فکری سے داد استراحت دیتے؟ آپ لارڈ مونٹ بیٹن کا دروازہ کھٹکھٹا سکتے تھے تو کیا آپ سوئے قوم آ کر قوم کو آنے والے خطرہ سے آگاہ نہیں کر سکتے تھے؟ اسے اس کے لئے تیار نہیں کر سکتے تھے؟ یا اسے حالات سے آگاہ کر کے یہ موقع نہیں دے سکتے تھے کہ وہ از خود اپنی حفاظت کے سامان کر لے؟ جب تک قوم کو اس سوال کا اطمینان بخش جواب نہیں ملتا وہ اس نتیجہ تک پہنچنے میں بالکل حق بجانب ہے کہ مسلمانوں کے تمام قتل و غارت کا ذمہ دار قومی نقطۂ نگاہ سے نہ مونٹ بیٹن ہے، نہ مرکزی حکومت — بلکہ اس بے گناہ دریائے خون کی ساری ذمہ داری" ان راہنمایانِ قوم کے سر ہے جنہوں نے خطرہ کو بھانپا لیکن قوم کو بے خبر رکھا جنہوں نے سیلاب بلا امڈتا دیکھا اور قوم کو آگاہ کرنے کے روادار نہ ہوئے۔

یہ کہہ کر کہ سنگھیوں اور سکھوں کی تیاریوں سے آپ آگاہ تھے آپ نے کسی راز کا افشا نہیں کیا۔ ہم جانتے ہیں کہ آپ کو ان کا علم تھا۔ اسی اشاعت میں "مسلم لیگ کے سابق کارکن" کے تاثرات شائع ہو رہے ہیں۔ اس کارکن نے مغربی پنجاب کے ایک حصہ کے متعلق جو کچھ لکھا ہے اس سے ظاہر ہے کہ مقامی طور پر مسلمانوں کو جب بھی خطرے سے آگاہی ہوتی تھی وہ فوراً اسے اپنے لیڈروں تک پہنچا دیتے تھے۔ اُدھر مرکزی کابینہ میں ان امور پر بحث و تمحیص ہوتی تھی۔ گویا ایک طرف ہمارے لیڈروں کا سرچشمہ اطلاع سرکاری ذرائع اور ایوان حکومت تھا اور دوسری طرف ذریعۂ معلومات خود قوم تھی۔ قوم کے سامنے صرف وہ خفیف سی جنبش آجاتی تھی جو سطح آب پر، زیر آب نہنگوں اور اژدروں کی کروٹ بدلنے سے پیدا ہوا کرتی ہے۔ ان بیچاروں کو خطرہ کا کبھی ایسا علم نہ تھا جیسا وائسرائے کی کونسل میں بیٹھنے والے لیڈروں

جز آسماں کی گھور رہے ہیں پڑے پڑے

کے مصداق انھوں نے اقوامِ متحدہ میں جو کیس بھیجا اس میں بھی اس کا تذکرہ کیا اور آج جناب غلام محمد نے لارڈ مونٹ بیٹن پر آخری تیر بھی چلا دیا۔ یہ علیحدہ بات ہے کہ وہ مقام نشانہ سے اٹھ کر جا چکا تھا۔ پورے دس مہینے تک جس راز کو قوم سے چھپا کے رکھا گیا تھا آج اسے لندن کے چوراہے میں افشا کر دیا گیا ہے!

قارئین تھوڑی دیر کے لئے اشاعت مارچ کے مضمون "محاسبۂ نفس" کو سامنے رکھیں۔ جس میں ہم نے ان غلطیوں کا جائزہ لیا تھا جو تقسیم کے وقت ہم سے سرزد ہوئی تھیں۔ ہم نے لکھا تھا کہ پہلی غلطی یہ تھی کہ ہم نے تعجیلی کارروائی پر صاد کیا، دوسری غلطی یہ تھی کہ بلا تعیین حدود پاکستان کو قبول کر لیا اور تیسری غلطی یہ کہ افواج و عساکر و آلات و سامان حرب کی تقسیم کے بغیر جداگانہ سلطنت قائم کر لی۔ ان اصولی اسقام و نقائص کا ذکر ہم نے اس لئے کیا تھا کہ قوم اپنے اعمال کا جائزہ لے اور تنقید کی محک پر پرکھے تاکہ اسے معلوم ہو کہ کہاں غلطی سرزد ہوئی ہے۔ نیز وہ ان غلطیوں کو خندہ پیشانی سے قبول کرے اور ان کی روشنی میں آئندہ صحیح اقدام کرے۔ لیکن ملتِ اسلامیہ پاکستانیہ ابھی اس معیار تک نہیں پہنچی کہ ہمارے زعماء اپنی غلطیوں کا کشادہ دلی سے اعتراف کریں اور ان سے استفادہ کریں۔ یہی وجہ ہے کہ غلام محمد صاحب نے دس ماہ تک اس کی ضرورت محسوس نہیں کی کہ قوم کو مخاطب کر کے بالمشافہ گفتگو کریں اور اپنی غلطیوں کا باہمی تذکرہ کریں اور آئندہ کے لئے احتیاط برتیں۔ اس کے برعکس لندن میں جا کر اپنے جامے کے دھبے ٹیمز میں دھونے کی کوشش کی۔ آپ نے تو مونٹ بیٹن کا دامن حریفانہ کھینچا ہے اور اسے موردِ الزام قرار دیا ہے، اور قوم آپ کا دامن کھینچتی ہے اور لاکھوں مظلومین کے بیگناہ خون کی دہائی دیتی ہے اور یہ پوچھتی ہے "بأی ذنب قتلتنی؟" ذبح ہونے والی مائیں، بے آبرو ہونے والی بہنیں، نیزوں کی انیوں سے چھدنے اور پتھروں پر پاش پاش ہو جانے والے بچے، کرپانوں سے شہید ہونے والے نہالانِ امت، جو موت کی مہیب و پر سکوت وادی میں جھونک دیئے گئے ہیں، ان کی معصومیت، مظلومیت کپکپی پیدا کرنے والی اور نہ تھمنے والی چیخ کی صورت میں ہمارا

تعاقب کر رہی ہے۔ تاریخ کا بکر الصوت اس چیخ کو "صور قیامت" میں بدل دے گا۔ اور یہ "مردے" زندہ ہو کر پوچھیں گے:

قصاص خون تمنا کا مانگئے کس سے؟ گنہگار ہے کون اور خون بہا کیا ہے؟

قوم حق بجانب ہے کہ لیڈروں کے اعتراف کے پیش نظر ان سے کہے کہ

بچے نہیں مواخذۂ روز حشر سے
قاتل اگر رقیب ہے تو تم گواہ ہو

پناہ گزینوں کا جو سیلاب گذشتہ تین سال سے مسلسل پنجاب کی طرف چلا آرہا تھا، اس سے عہدہ برا ہونا پنجاب ہی کا حصہ تھا۔ اس باب میں پنجاب نے فی الواقعہ جس ہمت کا ثبوت دیا ہے تاریخ اس کی مثال بمشکل پیش کر سکے گی۔ لیکن وہ ابھی اس سیلاب کے گرداب سے نکلا بھی نہ تھا کہ دریاؤں کے سیلاب نے اسے آگھیرا۔ پنجاب کے باہر کے لوگ اس حادثہ کو محض ایک خبر کی حیثیت سے پڑھ سکتے ہیں، وہ اس کی تباہیوں اور بربادیوں کا صحیح اندازہ نہیں لگا سکتے۔ پنجاب کا یہی میدانی علاقہ جو اس طوفان بے پناہ کی جولانگاہ بنا ہے، سارے پاکستان کی ریڑھ کی ہڈی ہے۔ ہماری زندگی کا انحصار زیادہ تر اسی علاقہ کی پیداوار پر ہے۔ سیلاب سے ہوا یہ کہ خریف کی ساری فصل تباہ ہوگئی۔ پانی کی افراط سے زمین اس طرح خراب ہوگئی کہ شاید بہت سا رقبہ ربیع کی فصل کے کاشت کے قابل نہ رہے۔ جسقدر غلہ گھروں میں جمع رکھا تھا سب سیلاب کی نذر ہوگیا۔ مویشی تباہ ہوگئے۔ گاؤں کے گاؤں بہہ گئے اور جو باقی بچے وہ رہائش کے قابل نہیں رہے۔ اب وہاں ملیریا شروع ہوچکا ہے۔ یہ وبا وہاں عام حالات میں بھی کم بربادی کا موجب نہیں ہوا کرتی۔ اب جو چاروں طرف فضا مرطوب ہوگی تو اس کی تباہ کاریاں اور بھی قیامت برپا کرینگی۔ کاشتکاریوں برباد ہوگئے۔ انہی پر شہری کاروبار کا انحصار ہوتا ہے۔ اسلئے کاروبار بھی تباہ ہوجائے گا۔ اس سے آپ اندازہ لگائیے کہ پنجاب کس طرح موت کے پنجے میں آگیا ہے۔ یہ مصیبت پنجاب کی نہیں، سارے پاکستان کی ہے لیکن اس حقیقت کے احساس سے سینہ چھلنی ہوتا ہے کہ پنجاب سے باہر کے طبقہ کو اس حادثۂ الیمہ کے جو اثرات لینے چاہئیں تھے وہ نہیں لئے جارہے۔ کبھی ہماری یہ حالت تھی کہ بلقان میں جنگ چھڑتی تھی اور ہمارے گھروں میں ماتم کی صفیں بچھ جایا کرتی تھیں۔ یونانی سمرنا پر حملہ کیا کرتے تھے اور یہاں گھر گھر سے رونے کی آواز بلند ہوجایا کرتی تھی۔ تحریک خلافت کا زمانہ ابھی کل کی بات ہے۔ کون بھول سکتا ہے کہ ترکوں کی مصیبت پر ہندوستانی مسلمانوں کی بیواؤں نے اپنے چھلّے، کپڑے اور برتن تک چندہ مانگنے والوں کی جھولیوں میں ڈالدیئے تھے۔ سارے ملک میں ایک قیامت برپا ہوگئی تھی۔ چندے کیلئے جلوس نکلتے تھے تو روتے روتے لوگوں کی ہچکیاں بندھ جاتی تھیں۔ لیکن آج ہمارے اپنے گھر میں ایک قیامت آگئی ہے اور ہمیں اس کا احساس تک بھی نہیں ہو رہا۔ جیسا کہ اوپر لکھا جاچکا ہے، ہم ان تباہیوں اور بربادیوں کی خبروں کو یوں پڑھ لیتے ہیں جیسے ٹمبکٹو میں کچھ ہوا ہے جس سے ہمارا کوئی تعلق ہی نہیں۔

ہم ملت پاکستانیہ کے ہر فرد سے درخواست کریں گے کہ وہ اس مصیبت کو اپنی مصیبت سمجھے اور اس کے مداوا میں جو کچھ بن پڑے اس میں قطعاً دریغ نہ برتے۔ یہ امر ایک گونہ اطمینان کا موجب ہے کہ حکومت نے پنجاب کی امداد کے لئے کچھ کوشش شروع کردی ہے۔ آپ اس کوشش کو کامیاب بنانے میں ہر ممکن سعی کیجئے۔ سرحد، پنجاب، سندھ، بنگال، یونہی تعارف کے لئے نام رکھ لئے گئے ہیں جس طرح ہم اپنے مکان کے کمروں کو گول کمرہ، کھانے کا کمرہ، سونے کا کمرہ، کہکر پکارتے ہیں۔ ان ناموں کی حقیقت اس سے زیادہ کچھ نہیں۔ یہ سب کا سب ایک ہی علاقہ، ایک ہی ملت کا مسکن اور ایک ہی خاندان کا گھر ہے۔ جو اس میں کسی قسم کی تمیز روا رکھے گا وہ ملت اسلامیہ کا جزو نہیں کہلا سکے گا۔

تو اے شرمندۂ ساحل! اچھل کر بیکراں ہوجا۔

اخوتِ اسلامی ایک بلند ترین حقیقت اس لئے ہے کہ قرآن کریم نے رنگ، نسل، زبان، وطن کے تمام مصنوعی امتیازات کو مٹا کر اشتراکِ ایمان (آئیڈیالوجی) کی بنا پر وحدتِ انسانیہ کا اصول پیش کیا اور حضور نبی اکرمؐ نے اپنے عدیم النظیر عمل سے اس اصول کو محسوس پیکر عطا فرمایا اور اس طرح ایک ایسی برادری کی تشکیل کر دی جس میں فارس کا سلمان، روم کا صہیب، حبش کا بلال، اور حجاز کا عمر (رضی اللہ عنھم) ایک وحدت کے غیر منقسم اجزاء بن گئے۔ اور یوں ——— اِنَّمَا الْمُؤْمِنُوْنَ اِخْوَةٌ (۴۹/۱۰) کی تحیر انگیز تصویر دنیا کے سامنے آگئی ― یہی تھی وہ برادری جس کے متعلق جب حضورؐ نے فرمایا تھا کہ تمام روئے زمین کے مسلمان جسدِ واحد ہیں تو اس سے فی الواقعہ یہ مقصود تھا کہ اگر کبھی پاؤں کے انگوٹھے میں کانٹا چبھے تو آنکھ کے آبگینے میں آنسو چھلک آئیں۔ اگر افریقہ کے صحرا میں کسی حبشی کے سر میں درد ہو تو ایران کے سبزہ زاروں میں محو گلگشت شاہنشاہ کا تاج اس کے لئے وبالِ دوش ہو جائے اگر شام کے میدانوں میں کسی اونٹ چرانے والے کے سینہ پر کسی ناہنجار کا تیر آ لگے۔ تو اس کی "آنی" چین کے محلات میں سونے والے خاقان کے جگر سے نکلے۔ اگر مراکش کے چرواہے کے خیمے کی طناب پر کوئی ظالم ہاتھ ڈالے تو قسطنطنیہ کے قصرِ احمر کے ستونوں میں تزلزل واقع ہو جائے۔ اگر دشتِ حجاز میں کسی بیوہ کے بچے کی طرف کوئی نگاہِ بد سے دیکھے تو تمام عالم اسلامی کی انگلیاں اسکی آنکھ نکال لینے کے لئے بیک وقت اٹھ آئیں۔ یہی وہ اخوت تھی جس نے چند دنوں میں وہ انقلابِ عظیم برپا کر کے دکھا دیا جس پر آج تک دنیا انگشت بدنداں ہے۔ لیکن اس کے بعد اس برادری کے افراد نے اپنی وجہِ جامعیت، یعنی رشتۂ ایمان کو ہاتھ سے چھوڑ دیا، اور محض مسلمان کے گھر میں پیدا ہونے والے کا نام مسلمان رہ گیا۔ اب ظاہر ہے کہ جو نتائج و ثمرات، ایمان سے پیدا ہوتے تھے وہ محض نام سے تو پیدا نہیں ہو سکتے۔ ہماری بھول یہ ہے کہ ہم ان خصوصیات کو جو مومنین کی بتائی گئی ہیں، موجودہ مسلمانوں کا شعار سمجھ کر ان سے غلط توقعات وابستہ کر لیتے ہیں۔ اور ان کے پورا نہ ہونے سے کبھی افسردہ خاطر ہو جاتے، کبھی غضب آلود ― ہندوستان میں (انگریز کے عہدِ غلامی میں) ہمارے قلوب میں اس اخوتِ اسلامی کی حرارت موجود تھی جس کا نتیجہ یہ تھا کہ دنیا کے کسی خطہ میں مسلمانوں پر کوئی مصیبت آئے، ہم اپنی جگہ تڑپ اٹھتے تھے۔ یہ اثر تھا، قرآن کی اس تعلیم کا جسے سرسید، اور اقبالؒ نے ہمارے سامنے (از سرِ نو) پیش کیا تھا۔ اسی تعلیم کو ہم نے مطالبۂ پاکستان کی بنیاد قرار دیا تھا ― یعنی اس اصول کو، کہ تمام مسلمان، بر بنائے اشتراکِ ایمان، ایک جداگانہ قوم کے افراد ہیں۔ اور غیر مسلم، دوسری قوم کے افراد ——— لیکن تشکیلِ پاکستان کے بعد حالات کچھ مختلف ہو گئے،

مسلسل تگ و تاز کے باوجود کبھی مٹ نہ سکا تو وہ اس بطلِ جلیل کے نام کا نقش تھا جس نے آزادی کے تحفظ کی خاطر جان دیدی۔ یا پھر اس باعثِ ننگِ انسانیت کا نام جس نے اپنوں کی آزادی کو دوسروں کے ہاتھوں بیچدیا۔ بہر حال دنیا نے ہر قوم کی عظمت کو آزادی کے پیمانوں سے ماپا اور اسی کے معیاروں سے جانچا ہے، بایں نمط کہ آزادی دنیا کی ہر لغت میں شرف و مجدِ انسانیت کے مرادف اور غلامی، ذلت و خواری کے ہم معنی ہو کر رہ گئی ہے۔

سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ آزادی بالآخر کیا شے ہے جو انسان کے لئے اس درجہ مرغوب و مقصود بن چکی ہے۔ اگر آزادی وہی ہے جس کا غلغلہ ہم بھی ایک سال سے سن رہے ہیں تو ہمیں حیرت ہے کہ انسان کو کیا ہو گیا کہ اس نے اس کی خاطر زمین اور آسمان کو ایک کر رکھا ہے!

ہم گذشتہ ایک سال سے آزاد ہیں۔ پچھلے سال بھی ۱۵ اگست کو ہم نے آزادی کا جشن منایا تھا۔ آج ایک سال بعد پھر ویسا ہی جشنِ آزادی منا رہے ہیں۔ آزادی کا یہ تہوار اب ہر سال منایا جایا کرے گا۔ لیکن ہم دیکھتے ہیں کہ سوائے اس ظاہری شور و غوغا اور سطحی دھوم دھام کے ہماری حیاتِ اجتماعیہ میں کوئی تبدیلی پیدا نہیں ہوئی۔ ہم وہی کچھ ہیں جو ۱۵ اگست ۱۹۴۷ء سے پہلے تھے۔ ہم وہیں ہیں جہاں اس تاریخ آزادی کے وقت تھے۔ بلکہ ایک لحاظ سے اس سے بھی کچھ پیچھے۔ ہم اب آزاد ہیں۔ قانونی اور آئینی معنوں میں پوری طرح آزاد۔ لیکن کیا آزادی کے نتائج بھی کچھ ہوتے ہیں جن سے ہم دوچار ہیں؟ کیا یہی وہ آزادی ہے جس کے نغمے فطرتِ انسانی کے ساز سے ہمیشہ ابھرتے، ابلتے رہتے ہیں؟ کیا ہم خود اسی آزادی کا مطالبہ کیا کرتے تھے؟ اگر آزادی اسی کیفیت (بلکہ عدم کیفیت) کا نام ہے تو ہمیں اعتراف کر لینا چاہئے کہ یا تاریخ کی رصد گاہوں کے تمام نقوش باطل ہیں یا ہم نے کہیں دھوکا کھایا ہے۔

کہنے کو ہم آزاد ہیں، ہر معنی میں آزاد۔ لیکن ہمیں سال بھر میں ایک مرتبہ بھی محسوس نہیں ہوا کہ اس آزادی نے ہم میں کونسی تبدیلی پیدا کی کہ جس کے باعث ہم اس آزادی کی زندگی کو سابقہ غلامی کی زندگی پر ترجیح دیں۔ تو ظاہر ہوا کہ اس بظاہر آئینی آزادی میں کسی ایسی شے کی کمی ہے جس سے آزادی اور غلامی میں چنداں امتیاز نظر نہیں آتا۔ آیئے دیکھیں کہ "سب باقی ہیں تو باقی نہیں ہے" کے مصداق کون "تو"

طلوع اسلام۔ لاہور   ۱۹   اگست ۱۹۷۰ء

بیس سال پہلے کی بات

جشنِ آزادی

تشکیلِ پاکستان کے بعد چند سالوں تک، ہم ہر سال، ۱۴ اگست کے جشنِ آزادی کی تقریب پر، قوم کے سامنے ایک آئینہ رکھا کرتے تھے تاکہ وہ اس میں دیکھ سکے کہ ہم نے گزشتہ سال میں کیا کیا ہے اور آج ہماری حالت کیا ہے۔ ۱۹۴۹ء کے پہلے جشنِ آزادی کی تقریب پر ہم نے جو محاسبۂ خویش پیش کیا تھا، اسے ہم دو سال پہلے اپنی صفحات پر دوبارہ سامنے لا چکے ہیں۔ اشاعتِ حاضرہ میں ہم ۱۹۴۹ء اور ۱۹۵۰ء کے جشنوں کی تقاریب پر پیش کردہ محاسبہ کو دہراتے ہیں۔ مقصد اس سے یہ ہے کہ ہم دیکھیں کہ آج سے بیس سال پہلے ہماری حالت کیا تھی اور آج ہم کس مقام پر کھڑے ہیں۔ اگر صورت یہ ہے کہ اس بیس سال کے عرصہ میں ہم پہلے سے بھی زیادہ گہری پستیوں میں گر چکے ہیں، تو اس سے ہم اپنے مستقبل کا اندازہ لگا سکتے ہیں۔

اس کے دل سے پوچھیے، اس کے جگر سے پوچھیے
آج جس کی منزلِ مقصود کل سے دور ہو!

۱۹۴۹ء میں، عیدالفطر اور یومِ آزادی کے جشن یکے بعد دیگرے منائے گئے تھے اس لئے اس سال ہمارا پیغام بھی دوہرا تھا۔ آپ ان پیغامات کو پڑھیے، اور پھر اس آئینہ میں اپنی آج کی شکل دیکھیے۔

شاید کہ خود را باز آفرینی!

(۲)

"زیرِ نظر پرچہ جب آپ کے ہاتھوں میں ہوگا تو آپ ایک جشن منانے سے فارغ ہو چکے ہوں گے اور دوسرا جشن منانے کی تیاریاں کر رہے ہوں گے۔ ایک "دینی" جشن، ایک "دنیاوی" جشن۔ ایک عیدالفطر کا جشن اور دوسرا ۱۵ اگست کو جشنِ آزادی۔ طرب و نشاط کے مواقع اور جشن و مسرت کی تقاریب پر، آلام و مصائب کے تذکرے اور دکھ اور درد کی داستانیں موزوں نہیں سمجھی جایا کرتیں۔ لیکن

نام سے ہوا ہے، وہ اس سے زیادہ کیا ہے کہ پرائیویٹ اسکولوں اور کالجوں کا انتظام حکومت نے اپنے ہاتھ میں لے لیا ہے۔ اول تو یہ امر بھی بحث طلب ہے کہ اس سے انتظامات میں بھی کوئی اصلاح ہوئی ہے یا نہیں۔ لیکن اس حقیقت سے تو کوئی بھی انکار نہیں کر سکتا کہ طالب علم "مادر پدر آزاد" ضرور ہو گئے ہیں۔ ہم نے پاکستان مانگا تھا کہ یہاں مردانِ مومن پیدا ہو سکیں گے۔ لیکن ہوا یہ کہ 'مردانِ مومن' تو کجا، ہم انسانی سطح سے بھی نیچے گر کر خالص حیوانی سطح پر آ گئے۔ یقین مانئے، ہم اپنے دورِ غلامی میں اس قدر پست سطح پر نہیں تھے جس پر ہم اب پہنچ چکے اور مزید پستی کی طرف جا رہے ہیں۔ اُس وقت ہم میں کم از کم انسان تو پیدا ہوتے تھے۔

اگر قوم میں کوئی ایسا طبقہ موجود ہے جس کے دل میں پاکستان کا درد اور جس کے دماغ میں سوچنے کی صلاحیت ہے، تو ہم ان کی خدمت میں، پوری قوت اور شدت سے گزارش کریں گے کہ وہ (سیاسیات سے قطع نظر) خالصتہً تعلیمی مقصد کے لئے سر جوڑ کر بیٹھیں اور سوچیں کہ یہ جو ہم، جاہلوں ہی کی نہیں وحشیوں کی کھیپ پر کھیپ تیار کئے چلے جا رہے ہیں، اس کا انجام کیا ہو گا؟ یہ سوچیں اور پھر دیکھیں کہ (اگر موجودہ نسل کا مرض لاعلاج حد تک پہنچ چکا ہے تو کم از کم) آنے والی نسلوں کو انسان بنانے کے لئے کیا کیا جا سکتا ہے۔ اگر کسی قوم کا سوچنے والا طبقہ، اجتماعی مسائلِ حیات سے غیر متعلق (INDIFFERENT) ہو کر بیٹھ جائے۔ تو پھر اس قوم کی تباہی میں کوئی شبہ باقی نہیں رہتا۔ اگر آپ اس مسئلہ کے متعلق اجتماعی سطح پر نہیں سوچنا چاہتے تو کم از کم انفرادی سطح پر ہی سوچئے۔ آپ سوچئے کہ ہماری موجودہ نسل جس نہج پر اُٹھ رہی ہے، اس کے ہاتھوں یہاں آپ کا (اور کسی کا) کچھ بھی محفوظ رہ سکے گا؟

آخر میں ہم اسے پھر دہرا دیں کہ اگر ہماری نژادِ نو کی تعلیمی حالت یہی رہی تو یہ مُلک کسی صورت میں بچ نہیں سکے گا۔ اگر اس کی سرحدیں محفوظ بھی رہیں تو اس کو چلانے والے کوئی نہیں ہونگے۔ سب تباہ کرنے والے ہونگے۔ یاد رکھئے۔ یہ نئی نسل قوم کا عزیز ترین سرمایہ ہے۔ اس سرمایہ کو اس طرح ضائع نہ ہونے دیں۔ ان کی بے راہ روی پر بیمار۔ ے دلوں میں ان کے خلاف نفرت یا انتقام کے جذبات نہیں اُبھرنے چاہئیں۔ اس لئے کہ ان کی اس بے راہ روی کے ذمہ دار ہم خود ہیں۔ جنہوں نے ان کی صحیح تعلیم و تربیت کا انتظام نہیں کیا۔ ان کی تعلیم کا ایسا انتظام کیجئے کہ قرآنی اقدار ان کے قلب و دماغ میں رچ بس جائیں۔ اس کے بعد آپ دیکھیں گے کہ یہ نہ خود ہی انتشار پیدا کریں گے اور نہ ہی مفاد پرست گروہ انہیں اپنا آلۂ کار بنا سکیں گے۔

مآخذات

- طلوعِ اسلام کے متعلقہ شمارے
- ترجمان القرآن کے متعلقہ شمارے
- تفسیر مطالب الفرقان کا علمی مطالعہ از پروفیسر حافظ محمد دین قاسمی
- جماعتِ اسلامی سے متعلقہ مختلف ویب سائٹس اور بلاگز

پیامِ قرآن

The Message of Quran

www.facebook.com/payamequran